Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 10/•شمارہ 06/•دسمبر/2020

ماہنامہ

# فہمِ دین

سچی محبت

ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم

بائیکاٹ

الف

## سیکولرازم بمقابلہ اسلام

ہم سفر کا خواب

بیٹیاں

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

بیت السلام
BAITUSSALAM

BAITUSSALAM
سردی سے ٹھٹرتی
انسانیت کی مدد
فی کمبل
Rs.900/=
Baitussalam.org
Baitussalam_org
Baitussalam_org
+9221-111-298-111

ماہنامہ

# فہمِ دین

کراچی

دسمبر 2020


## فہم و فکر

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| سیکولرازم بمقابلہ اسلام | مدیر کے قلم سے | 04 |

## اصلاحی سلسلہ

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| فہم قرآن | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم | 05 |
| فہم حدیث | مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ | 06 |
| آئینہ زندگی | حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ | 08 |

## مضامین

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم | جنید حسن | 10 |
| حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ | حذیفہ رفیق | 12 |
| اذان کی شان | یعقوب محمد | 13 |
| حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا | ندا اختر | 14 |
| ذیابیطس | حکیم شمیم احمد | 16 |
| مسائل پوچھیں اور سیکھیں | مفتی محمد توحید | 18 |
| باطل جن سے لرزاں تھا | ابو عاتکہ توحید | 19 |

## خواتینِ اسلام

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| ہم سفر کا خواب | حجاب فیض | 21 |
| الف | ماویہ زاہدہ | 22 |
| بائی کاٹ | روبینہ عبد القدیر | 23 |
| بیٹیاں | ام جواد | 24 |
| بدبو | قرۃ العین خرم ہاشمی | 26 |
| آزمائش | عائشہ تنویر | 28 |
| منحوس سال | کائنات غزل | 31 |

## باغیچہ اطفال

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| چڑی جائے | ڈاکٹر الماس روحی | 32 |
| خوشیاں بانٹو | سمیرا انور | 33 |
| جنگل دوستاں | ائمہ بخاری | 35 |
| بکیر کی بطخیں | احمد رضا انصاری | 36 |
| اونٹ | فوزیہ خلیل | 39 |
| بچوں کے فن پارے | | 40 |
| انعامات ہی انعامات | | 41 |

## بزمِ ادب

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| ہمارے صحابہ | ارسلان اللہ خان | 42 |
| حضرت عائشہ صدیقہ | احمد ظہور | 43 |
| گلدستہ | محمد اطہر فتح پوری | 44 |

## اخبار السلام

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| کفالت برائے خصوصی افراد | خالد معین | 46 |



زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: محمد خرم شہزاد
نائب مدیر: قاری عبدالرحمٰن
ناظم: خالد عبدالرشید
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: نوید فرید



آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی



زرِ تعاون
فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ فیس: 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

# سیکولرازم بمقابلہ اسلام

غلطی تو یہودی اور عیسائی دونوں سے ہوئی ہے۔ یہودیوں نے تعصب میں غلطی کی اور حضرت مریمؑ پر زنا کی تہمت لگاتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کو ولد الزنا (معاذاللہ) قرار دے دیا۔ اس کے برعکس عیسائیوں نے محبت میں غلطی کی اور اپنے نبی حضرت عیسیٰؑ کو اتنا بلند کیا کہ نہ صرف خدا سے ملادیا، بلکہ سراپا خدا کہہ دیا۔ اب ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یورپ کے عیسائی وہی غلطی دوہرانا چاہ رہے ہیں، جو کبھی یہودیوں نے ان کے نبی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کی تھی۔ البتہ اب میڈیا کے اس دور میں دشمنی کا عنوان تبدیل ہوگیا۔ اب اسے آزادیٔ اظہارِ رائے کا نام دیا گیا ہے۔

جی بالکل! زبان واقعی اظہارِ رائے کے لیے بنی ہے، مگر اس سے ظاہر وہی ہوگا، جو پیچھے دِل و دماغ کے برتن میں رکھا ہوگا۔ یہ تَن کے گوروں کا مَن کتنا کالا ہے! اس کا پتا تو تب چلا جب فرانس کے لوگوں نے ہمارے نبی ﷺ پر زبان درازی کرکے اپنے مَن کی خباثت کا اظہار کردیا۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بتادیا تھا کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ کہ ابھی تو انھوں نے بہت ہی تھوڑے بغض کا اظہار کیا ہے، ورنہ ان کے اندر چھپی خباثت اور نفرت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

ہاں! یہ اللہ کا شکر ہے کہ دشمن کو ہر بار منہ کی ہی کھانی پڑی۔ اور یہ مدینہ کی بستی سے ہی مسلمانون کو وتیرہ رہا ہے کہ توہینِ رسالت کے جُرم کو نہ ریاستی سطح پر معاف کیا گیا اور نہ عوامی سطح پر۔ ایک یہودی تھا کعب بن اشرف۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا رہتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دِن آپ ﷺ نے فرمایا: کون میری اس سے جان چھڑائے گا؟ تو محمد بن مسلمہ انصاریؓ اجازت لے کر گئے اور اُن کا کام تمام کردیا۔ یہ تو پھر بہت بڑی بات تھی کہ کعب گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تو ایک یہودی اور منافق کے مقدمے میں، جس کا فیصلہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے حق میں کردیا تھا، مگر وہ منافق حضرت عمر سے فیصلہ کروانے کے لیے مُصر تھا تو حضرت عمرؓ نے ایک لمحہ نہ سوچا اور اس کا سر تن سے جُدا کردیا۔ تو مسلمانوں کا اپنے نبی کریم ﷺ سے عشق کا یہ انداز دورِ صحابہ سے ایسا ہی چلا آرہا ہے۔ البتہ اہلِ مغرب اور یورپ ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں اتنے انتہا پسند کیسے ہوگئے۔ یہ آج کا سوال ہے۔

قارئینِ گرامی! آج کا سب سے بڑا مذہب اور بت، جس کی دُنیا بھر میں پُوجا کی جا رہی ہے، وہ "سیکولرازم" ہے۔ سیکولرازم کا مطلب "لادینیت" اور "مذہب سے بیزاری" ہے، تو سیکولرازم کا سب سے بڑا مقابل بھی پھر مذہب ہی ٹھہرا۔ "آزادیٔ اظہارِ رائے" کا نعرہ "سیکولرازم" نے لگایا ہے، مگر وہ اس کا مطلب "مذہب" کے علاوہ ہر چیز کی آزادی لیتے ہیں، بلکہ مذہب سے ہی آزادی مراد لیتے ہیں۔ آپ سرسری جائزہ لے کر دیکھ لیں کہ ہر وہ چیز جو مذہب میں مقدّس اور محترم ہے، سیکولرازم میں "آزادی" کے نام پر اس کی دھجیاں اُڑادی جاتی ہیں۔ اسلام میں ماں کا رشتہ مقدس ہے، بہن بہت محترم ہیں، بیٹی جنت کے دروازے پر استقبال کرنے والی ہے، اور ان سب کی بنیاد مضبوط خاندانی نظام ہے، مگر سیکولرازم نے یہ تمام رشتے پامال کرکے رکھ دیے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ناموس کو لے لیجیے، قرآن مجید کی حرمت کو دیکھ لیجیے، سیکولرازم کے پیروکاروں کو ایک آنکھ یہ مقدّسات نہیں بھاتے۔

آسمانی مذاہب تو یہودیت اور عیسائیت بھی ہیں، مگر اب ان میں اتنا دَم خَم باقی نہیں رہا کہ وہ سیکولرازم کی یلغار کا مقابلہ کرسکیں، بلکہ اِن کے ماننے والوں نے ہی تو مذہب سے جان چھڑانے کے لیے سیکولرازم کی بنیاد رکھی ہے۔ مذہب کو پرائیویٹ مسئلہ قرار دے کر اسے "گھر کی چار دیواری میں نظربند" کردیا۔ سیکولرازم سڑکوں، بازاروں، اداروں اور ایوانوں میں اپنی مضبوط اجارہ داری برقرار رکھنے کے لیے مذہب کی "دِل میں چھپی محبتوں" اور گلی محلّوں میں نظر آتی "بچی کچھی علامتوں" کو بھی اپنے لیے موت سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے پورے یورپ میں دفتروں میں چلتا برقع اور ڈاڑھی کے لیے نوکری کے دروازے تقریبا بند کر رکھے ہیں، بلکہ "سیکولرازم" اپنی بقا کے لیے ایک قدم آگے بڑھ کے مسلمانوں کے دِلوں میں چھپی مقدّس شخصیت کی محبت کو بارہا کھرچ کر نکالنے کی کوشش کرچکا ہے۔

قارئینِ گرامی! تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سیکولرازم اپنی بقا کے لیے اسلام کو خطرہ سمجھتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر حملے یہ اس کے اوچھے ہتھکنڈے اور اس کی بَو کھلاہٹ کی علامت ہے۔ بس ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے اور وہ نبی کریم ﷺ سے دیوانہ وار محبت، اُن کی بے لوث اطاعت ہے اور مرتے دَم تک اسلام سے چمٹے رہنا ہے۔ پھر چاہے "سیکولرازم کی آندھیوں کے کتنے ہی جھکڑ چلتے رہیں، مگر یہ گرد انھی کے سروں میں پڑے گی، وہ ہمارا اور اسلام کا بال بِیکا تک نہیں کرسکیں گے۔

والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

# فہمِ قرآن

النساء 44-47

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ
وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ 44

ترجمہ: جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ۔ 44

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا 45

ترجمہ: اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور رکھوالا بننے کے لیے بھی اللہ کافی ہے اور مددگار بننے کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔ 45

مِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا
وَعَصَیۡنَا وَاسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا
مبِاَلۡسِنَتِہِمۡ وَطَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا
وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَقۡوَمَ وَلٰکِنۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ
بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا 46

ترجمہ: یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا ڈالتے ہیں اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں "سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا" اور "اسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ" اور "رَاعِنَا" حالاں کہ اگر وہ یہ کہتے کہ "سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا" اور "اسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا" تو ان کے لیے بہتر اور راست بازی کا راستہ ہوتا، لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لیے تھوڑے سے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے۔ 46

تشریح نمبر1: اس آیت میں بعض یہودیوں کی دو شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرارت یہ ہے کہ الفاظ کو اپنے موقع محل سے ہٹا کر اس میں لفظی یا معنوی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی بعض اوقات ان کے الفاظ ہی کو کسی اور لفظ سے بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات اس لفظ کو غلط معنی پہنا کر اس کی من مانی تفسیر کرتے ہیں اور دوسری شرارت یہ ہے کہ جب وہ آن حضرت ﷺ کے پاس آتے ہیں تو ایسے مبہم اور منافقانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ظاہری مفہوم برا نہیں ہوتا، لیکن وہ اندرونی طور پر ان الفاظ سے وہ برے معنی مراد لیتے ہیں جو ان الفاظ میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی تین مثالیں اس آیت میں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا "جس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم نے آپ کی بات سن لی اور نافرمانی کی" وہ ان الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے اور آپ کے مخالفین کی نافرمانی کی ہے، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرے وہ کہتے تھے وَاسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "آپ ہماری بات سنیں خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ جائے" ظاہری طور پر وہ یہ دعا دیتے تھے کہ آپ کو کوئی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ کو ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔ تیسرے وہ ایک لفظ "رَاعِنَا" استعمال کرتے تھے، جس کے معنی عربی زبان میں تو یہ ہیں کہ "ہمارا خیال رکھیے"، لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی کا لفظ تھا جو وہ اندرونی طور پر مراد لیتے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ
قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ
اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا 47

ترجمہ: اے اہل کتاب! جو (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس پر ایمان لے آؤ، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انھیں گدی جیسا بنا دیں یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں، جیسی پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی اور اللہ کا حکم ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ 47

تشریح نمبر2: "سبت"، "سنیچر (ہفتے کے دن) کو کہتے ہیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کو اس دن روزگار کا کوئی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن ایک بستی کے لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا اور ان کو مسخ کر دیا گیا۔

# فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

### وہ آدمی مؤمن اور جنتی نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ
وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟
قَالَ الَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ ”خدا کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم! اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم! وہ صاحبِ ایمان نہیں۔“ عرض کیا گیا: ”یارسول اللہ! کون شخص؟“ (یعنی حضور ﷺ کس بدنصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرمارہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں اور اس میں ایمان نہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔“ (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے۔) (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ میں غور کرکے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے اور جس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا اس وقت آپ ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کا انداز کیا رہا ہوگا۔

بہر حال اس پُر جلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لیے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں، ان کے دلوں و دماغ میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو۔ اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

### یتیموں اور مسکینوں کی کفالت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ
رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوتِ قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں، حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح: یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو دل کی دردمندی اور ترحم کے جذبے سے صادر ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبۂ ترحم سے خالی ہو اور اس کی بجائے اس میں قساوت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزت و قوتِ ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے، ان شاء اللہ! اس کے دل کی قساوت دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی طریقے علاج کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:
خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ
وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین گھرانا وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھرانا وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔

(سنن ابن ماجہ)

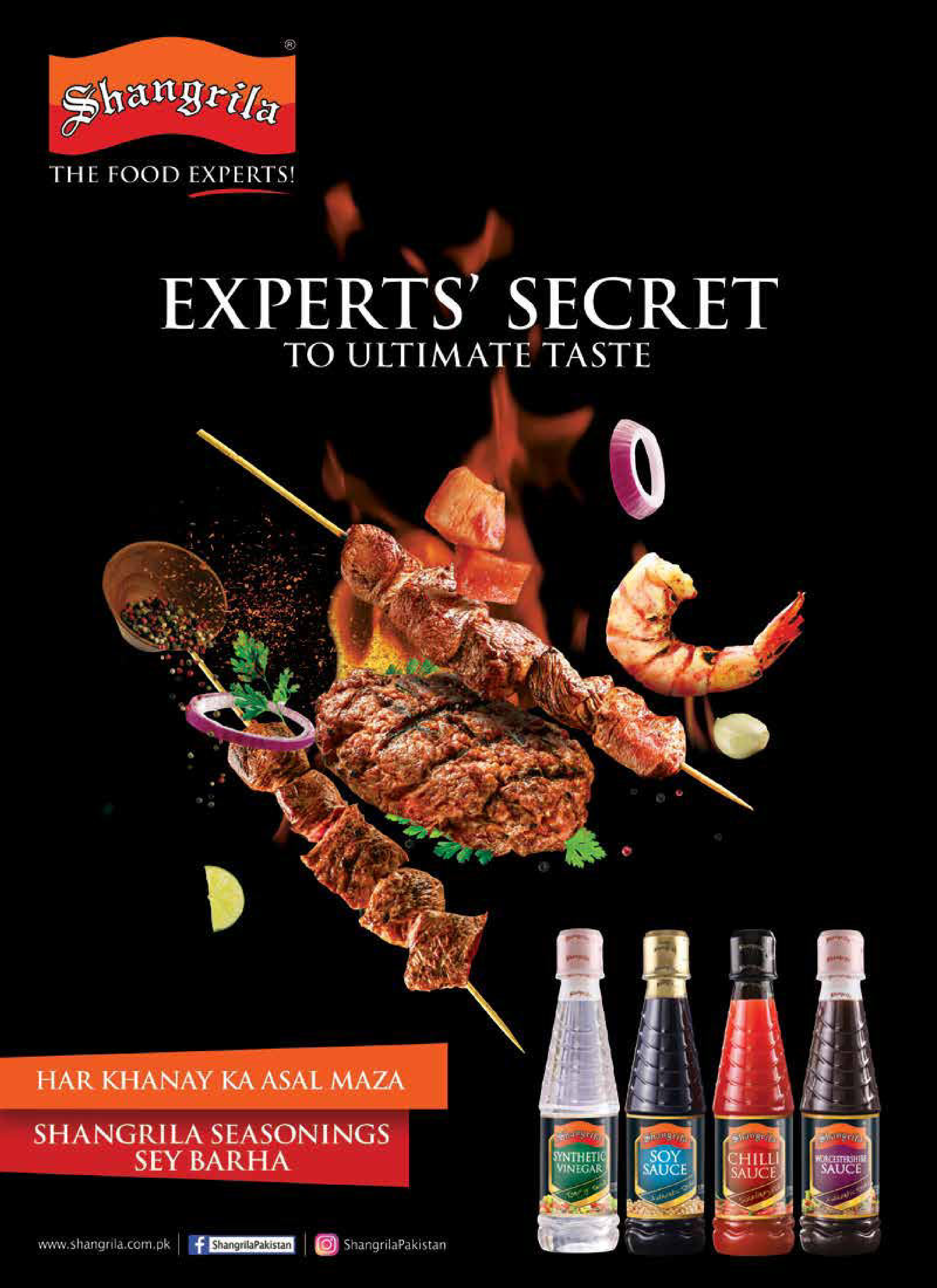
Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE
HAR KHANAY KA ASAL MAZA
SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA
SYNTHETIC VINEGAR
SOY SAUCE
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

# سچی محبت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

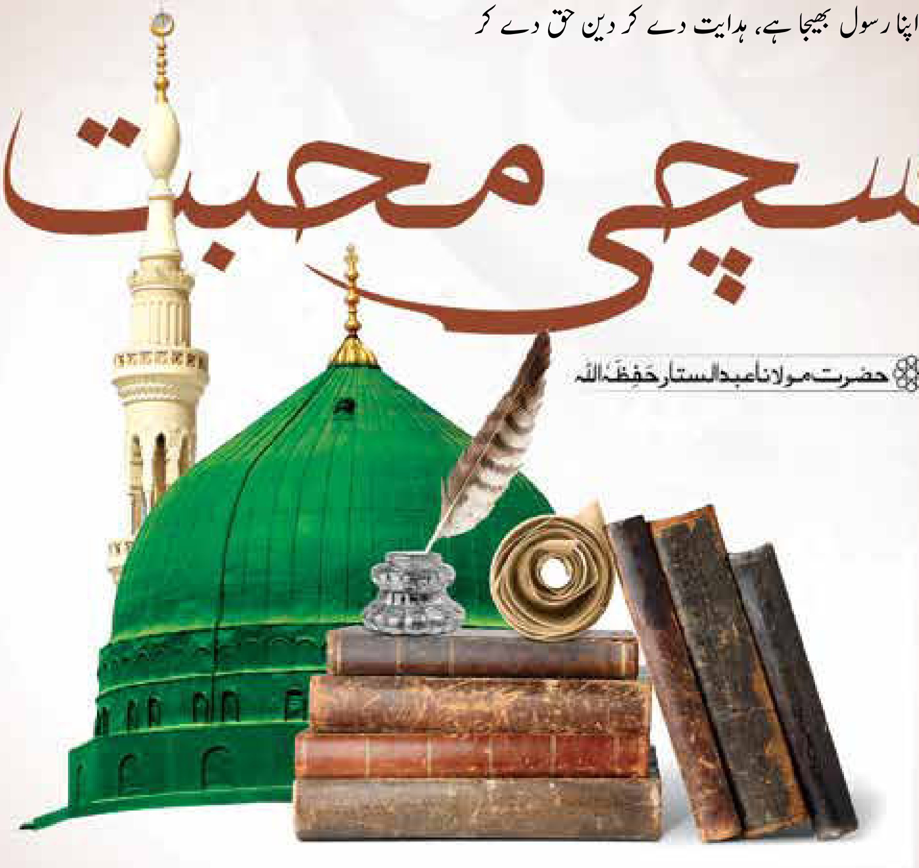

## رسول اللہ کا مشن

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں اور پیر کے روز اس دنیا میں تشریف لائے اور پیر کے دن، ربیع الاول ہی کے مہینے میں آپ اس دنیا سے تشریف لے بھی گئے۔ یعنی آپ کا آنا بھی اسی مہینے میں ہوا اور آپ کا دنیا سے تشریف لے جانا بھی اسی مہینے میں ہوا۔ آپ دنیا میں تشریف کیوں لائے اور وہ کیا چیز ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ رہے گی اور جو آپ کے آنے اور جانے کا مقصد بھی ہے آج اس پہ کچھ بات کرتے ہیں اپنا اور گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں۔

اللہ تعالی نے آپ ﷺ کا تعارف اور مشن بتاتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى اللہ نے اپنا رسول بھیجا ہے، ہدایت دے کر دین حق دے کر لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دین دنیا جہان کے تمام دینوں پر غالب آجائے۔ اللہ کا دین ساری دنیا پر غالب آجائے۔ اللہ کی فرماں برداری اللہ کا حکم ساری دنیا میں زندہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی مشن لے کر آئے۔

## محبت کی کسوٹی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعوی ہر مسلمان کو ہے لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ اس محبت کی کسوٹی کیا ہے۔ یہ کسوٹی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی۔ اور فرمایا: مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي جسے میری زندگی پسند ہے، اسی کو حقیقت میں مجھ سے محبت ہے۔ یعنی وہ شخص اس محبت میں سچا ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، اور وہ محبت ہر چیز پر غالب آجائے، عمل سے ظاہر ہونے لگے۔ کسی کو اگر اللہ اپنے لطف و کرم سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمادے تو ہر عبادت میں لذت ملے گی اور اگر بہ ظاہر تکلیف بھی آئے تو اس تکلیف میں بھی راحت اور لذت ملے گی۔ دین کی خاطر ہر تکلیف میں مزہ آئے گا۔ محبت چیز ہی ایسی ہے، جب دل میں بس جائے تو یہ محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے۔

## حضرت خباب کی رسول اللہ سے محبت

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، یہ دین کے دشمن مجھے زنجیروں میں جکڑ کر گرمی کی گرم ریت میں پھینک دیا کرتے تھے اور بسا اوقات انگاروں پر ڈال دیا کرتے تھے۔ وہ انگارے میرے خون اور چربی سے بجھا کرتے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے پاس تشریف فرما تھے، حضرت عمر فرمانے لگے: "اپنی کچھ حالت تو بتاؤ۔" حضرت خباب کہنے لگے: "میری کمر دیکھ لو۔" کمر میں گڑھے پڑے ہوئے تھے لیکن یہی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد جب فتوحات ہوئیں اور مسلمانوں کے پاس کچھ وسائل آئے تو رویا کرتے تھے کہ: "کہیں اللہ تعالی نے ہماری تکلیفوں کا بدلہ ہمیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا؟" حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے: "اللہ خباب پر رحم کرے، خوشی سے مسلمان ہوئے، اپنی مرضی سے ہجرت کی، زندگی جہاد میں گزاری، زندگی میں مشقتیں اور مصائب جھیلے اور معمولی روزی پر قناعت کرکے اللہ کو راضی کرنے میں زندگی کے رات دن گزار دیے۔"

## رسول اللہ کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو محبت کا معیار بتایا ہے۔ اس معیار کے مطابق زندگی گزارنے والوں کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی دی۔ فرمایا: فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي۔ اے اللہ! انہیں خوش و خرم رکھنا جو میری زندگی کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں اجنبی لگنے لگ جائیں، لوگ انہیں اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

## پہچان کیسے ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین ابتدا میں بھی اجنبی تھا اور پھر ایک دن آئے گا جب دین دوبارہ اجنبی ہو جائے گا۔ آج ایوانوں کی حالت دیکھیں، امت مسلمہ کے حکمرانوں کی حالت دیکھیں، عدالتیں دیکھیں، مسلمانوں کے تعلیمی ادارے دیکھیں، بازاروں میں دیکھیں اور غور کریں کہ کیا آج دین اجنبی نہیں ہو گیا؟ کیا ہم محض چہرہ مہرہ دیکھ کر، وضع قطع اور چال ڈھال دیکھ کر ایک ہندو اور مسلمان میں فرق کر سکتے ہیں؟ ایک عیسائی اور مسلمان میں فرق کیا جا سکتا ہے؟ ایک یہودی اور مسلمان نوجوان میں

تمیز کی جا سکتی ہے؟ سر سے لے کر پاؤں تک ان کے اندر کوئی ایسی چیز ایسی علامت ہے جس سے پتا چلے محمدی کون ہے دشمن کون ہے؟ اپنا کون ہے غیر کون ہے؟ یقیناً وہ لوگ انعام اور اللہ کی رضا کے مستحق ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ رکھا ہوا ہے، اختیار اور سجا رکھا ہے۔ وہ طرز زندگی، وہ سنتیں، جنہیں امت محمدیہ کہلانے والوں نے اپنے گھروں سے نکال دیا ہے، بازاروں سے نکال دیا، لباس سے نکال دیا، رہن سہن سے نکال دیا، معاشرت سے اور غمی خوشی سے اس زندگی کو نکال پھینکا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دعا سے نوازا ہے کہ اے اللہ تو اسے خوش وخرم رکھنا۔

## محبت کا تقاضا

آج یہ سادہ مسلمان، نادان آدمی یہ سمجھتا ہے بس زبانی جمع خرچ سے محبت کا دعویٰ سچا ہو جائے گا۔ اور یہ محبت کا حق ادا کر دے گا، محبت دیکھی ہے۔ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عاشق اور محبت کرنے والے خلیفہ وقت، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "اللہ کے رسول کا دین مٹے اور صدیق زندہ رہے ایسا نہیں ہو سکتا۔" صدیق کے جیتے جی دین مٹ جائے، صدیق کو یہ منظور اور گوارا نہیں ہے، ہرگز برداشت نہیں ہے۔ دین میں کمی آئے اور صدیق زندہ رہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے سچی محبت کا تقاضا۔

ہر شخص اپنا ایک دائرہ اختیار رکھتا ہے، حکمران ہو، قاضی ہو، فوجی، جرنیل، سپاہی ہو، تاجر، مزدور، باپ، بیٹا، بیٹی، ماں ہر ایک اپنا دائرہ اختیار رکھتا ہے۔ اسے دیکھنا اور غور کرنا چاہیے کہ اس وقت دین محمدی اس سے کیا تقاضا کر رہا ہے۔ اگر کوئی جج ہے اور وہ کہے کہ میں رات بھر تہجد پڑھتا ہوں اور دن بھر روزہ رکھتا ہوں لیکن وہ اپنی کرسی پر بیٹھ کر دین محمدی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو دراصل اس نے اللہ کے نبی سے محبت کا حق ادا نہیں کیا، اس نے رسول اللہ سے محبت کا حق ادا نہیں کیا، آپ پر ایمان لانے کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کا کام تھا اس کرسی پر جو رسول اللہ کا دین ہے اسے زندہ کرتا۔ یہی اللہ کے نبی سے محبت کا تقاضا ہے اور یہی دین ہے۔

## باطل کے لیے بہترین جواب

سچ تو یہی ہے کہ اگر آج قومی سطح پر حکمرانوں سے لے کر عوام تک سب یہ عزم کر لیں کہ ہم نے دین محمدی کو زندہ کرنا ہے تو باطل کی ہر شرارت کا صحیح جواب یہی ہے۔ اس لیے تو اللہ نے کہا ہے کہ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یہ چیز مشرک اور کافر کے لیے سخت ناگوار ہے کہ قومی سطح پر قومی اداروں میں، قومی ایوانوں میں، بازاروں اور دفاتر میں، مسلمانوں کی غمی خوشی میں دین محمدی زندہ ہونے لگے تو یہ باطل کے لیے حقیقی جواب ہے۔ یہی اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر عمل کا تقاضا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو دیکھنا چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ دیکھنا چاہیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کو دیکھنا چاہیے۔ حضرت علی کی خلافت کو دیکھنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے میرے بعد سب سے بہترین دور حضرات خلفاء کا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ میری سنت تم پر لازم ہے اور میرے ان خلفا کے طریقے بھی تم پر لازم ہیں۔

## صحابہ کی رسول اللہ سے محبت

اب غور کرنا چاہیے حضرات خلفاء راشدین کے ادوار میں، اس مبارک زمانے اور ان مبارک سالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اظہار کا انداز اور معیار کیا تھا۔ محبت کا انداز یہ تھا کہ ان کی مساجد سے لے کر ان کے بازاروں اور ان کے ایوانوں تک رسول اللہ کا دین اور آپ کی سنتیں زندہ تھیں۔ یہ انداز تھا۔ یعنی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا نور موجود نہ ہو اور اسی کی برکت تھی، اسی کی رحمت تھی اور یہی وہ چیز تھی جس نے اللہ کی رحمت اور مدد و نصرت کا انہیں مستحق بنا دیا تھا۔

## محبت اور اتباع کے فائدے

مسلمانوں کی تعداد مدینہ منورہ میں پہلی مردم شماری کے وقت 500 دوسری مردم شماری میں 700 تیسری مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد 1200 یا 1500۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس مختصر سے مجموعے نے دنیا کی طرف جدھر بھی قدم اٹھایا امن وسلامتی کا جھنڈا لہرا دیا، جدھر آگے بڑھے دنیا کو امن وسلامتی کی خیرات تقسیم کرتے ہوئے نظر آئے۔ دولت کیا تھی ان کے پاس، دراصل انہیں رسول اللہ کی سچی محبت اور کامل اتباع نصیب تھی اور وہ لوگ اس سے ایک انچ بھی دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے یہی ان کا دبدبہ تھا، یہی باطل پر ان کا رعب تھا اور سچ عرض کر رہا ہوں، رسول اللہ سے ان کی محبت اور رسول اللہ کی اطاعت ہی تھی جس کی بدولت تمام مسلمان اکٹھے تھے، ان میں مثالی اتفاق اور اتحاد تھا۔ یہ امت تقسیم کب ہوتی ہے؟ اس امت میں فرقے کب بنتے ہیں؟ گروہ بندیاں کب ہوتی ہیں؟ یہ ٹکڑوں میں کب بٹتی ہے؟ جب مفادات آجائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت چلی جائے۔ اغراض آجائیں، رسول اللہ کی زندگی نظروں سے اوجھل ہو جائے پھر یہ امت ٹکڑوں میں، گروہوں میں لسانیت وطنیت علاقائیت اور مختلف قسم کے فرقوں اور بدعات میں تقسیم ہو کر اپنی قوت کو ضائع کر بیٹھتی ہے۔ اپنی طاقت اور دبدبے کو ضائع کر بیٹھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہے اور رسول اللہ نے سچی محبت کی کسوٹی یہی بتائی ہے مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي جس نے مجھ سے محبت کی ہے تو پھر اسے میرے طریقے سے محبت ہے جسے میرے طریقوں سے اور زندگی سے محبت ہے حقیقت میں اسے ہی مجھ سے محبت ہے اور یہی علامت ہے اللہ سے محبت کی۔ اللہ کریم کہہ رہا ہے کہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے تو فَاتَّبِعُونِي تو اے نبی انہیں کہہ دو کہ وہ آپ کی اتباع کریں۔ رسول اللہ کی اتباع سے ہی اللہ کی محبت ملتی ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ملتی ہے اور انعام کیا ملتا ہے يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ تم اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے اس لیے کہ تمہاری زندگی میں اس کے محبوب کی زندگی آگئی ہے اسے اپنا محبوب بہت پسند ہے اسے اپنے محبوب کے طور طریقے بہت پسند ہیں اور جس کی زندگی میں محبوب کے طور طریقے آجائیں وہ بھی اللہ کے یہاں محبوب بن جاتا ہے وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور اللہ تمہاری بخشش فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور کامل اتباع نصیب فرما دے۔ آمین

قسط نمبر 21

# مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنید حسن

**معطر فضائیں:** دونوں مسجدوں اور خاص کر مسجدِ حرام میں جگہ جگہ اندرونِ مسجد اور بیرونی صحن میں فان یا پیچ کلر کے واٹر کولروں میں آبِ زم زم بھرا ہوتا تھا۔ ہر دو میں ٹھنڈا اور ایک میں سادہ۔ نیز فرسٹ فلور میں حصہٗ طواف کے ساتھ اور نیچے گراؤنڈ اور بیسمنٹ میں بھی اسٹیل کی کولڈ واٹر ٹنکیاں لگی ہوتی تھیں، جن میں چاہِ زم زم سے مستقل پانی کی سپلائی پہنچتی رہتی تھی۔ باہر بیرونی صحن کی دیواروں کے ساتھ بھی یہ اسٹیل ٹنکیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہم آتے جاتے آب زم زم پیتے اور بوتلوں میں بھر لیتے۔ حرمین گی خوشبوؤں نے بھی ہماری سانسوں کو معطر رکھا۔ رسول اللہ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو خوشبو پسند تھی لہٰذا مسجد حرام میں خاص طور پر نہایت عمدہ خوشبوئیں فضاؤں میں رچی بسی ہوتی تھیں۔ ان میں عطر ”وصال“ کی خوشبو بہت منفرد ہوتی ہے۔

**وضو خانے:** حرمین میں ٹوائلٹ اور وضو خانے بیرونی داخلی دروازوں کے ساتھ بنے ہوتے ہیں مگر مسجد حرام کے اندر مطاف میں اترتی سیڑھیوں کے عین نیچے بھی نیلے پردوں میں پوشیدہ وضو خانے ہیں مگر کم لوگوں کو شاید ان کا علم ہے اگر یہ نہ ہوں تو کئی لوگ نماز کے وقت باہر سے وضو کرکے واپس بھی نہ آسکیں کیوں کہ نماز سے کوئی دس پندرہ منٹ قبل مطاف میں داخلہ مسدود کر دیا جاتا ہے صرف باہر جاسکتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک آدھ بار اس مشکل کا سامنا ہوا اور بڑی تکلیف محسوس ہوئی کہ مطاف سامنے ہے اور نارسائی سی نارسائی ہے۔

**ایک نیا منظر:** ایک دن میں عشاء کی نماز میں دیر سے پہنچا۔ کنگ فہد اسکلیٹر کا داخلہ کھلا تھا ورنہ عام داخلی دروازے بند کیے جا چکے تھے (اس کی وجہ سمجھ نہ آئی کیوں کہ اندر جگہ باقی ہوتی تھی مگر نماز سے کوئی دس پندرہ منٹ قبل دروازے بند کردیے جاتے تھے سوائے سیڑھیوں کے راستے کے) یہ اسکلیٹر کچھ عرصہ قبل ایک پتلی سی ہیئت والی تین منزلہ عمارت میں نصب کیے گئے ہیں اور اس کو مسجد کی مرکزی عمارت کے ساتھ ایک مختصر برآمدے کے ذریعے جوڑا گیا ہے۔ یہ بابِ فہدؒ سے متصل ہے۔ یہاں سے اوپر فرسٹ فلور پر جانے کا موقع تو مل ہی چکا تھا میں نے دیکھا اسکلیٹر بیسمنٹ میں بھی جارہی تھیں۔ آج میں نیچے اتر گیا۔ بیسمنٹ میں بھی قرینے سے مسجد کا حصہ نماز کے لیے قائم تھا۔ سبز قالین بچھے تھے سنہری ریکس میں قرآن مجید رکھے ہوئے تھے اور اسٹیل ٹنکیوں میں آبِ زم زم رواں تھا۔

سبز قالین پر بیٹھے آگے مسدود کیے ہوئے راستے کی جانب بار بار نظر اٹھتی رہی اور چاہِ زم زم کو دیکھنے کی چاہ دل کو بے چین کرتی رہی۔ قریباً ایک گھنٹا میرا وہاں گزرا۔ اے سی کولنگ کا یہ عالم تھا کہ گویا میں فریزر میں آبیٹھا ہوں۔ خدا خدا کرکے اس ٹھنڈ سے باہر آیا۔ پھر ایک دن چھت پر جہاں تین گہرے کتھئی رنگ کے گیند ایک قطار میں بنے ہوئے ہیں اور ایریل ویو (Aerial View) سے بہت دل فریب دِکھتے ہیں میں عشاء کی نماز میں وہاں آگیا۔ وہاں بھی سبز قالین مصلے کے طور پر بچھائے جاتے ہیں۔ مجھے وہاں بھی نماز ادا کرنے کی سعادت ملی۔ وہیں میں نے بابِ فہد پر قائم دو میناروں کو قریب سے دیکھا۔ سفید اور سبز بتیوں کے امتزاج سے روشن یہ سفید منارے بہت بھلے دِکھتے تھے۔

**خوب صورت مناظر:** پہلی منزل کا انتہائی آگے والا حصہ جہاں طواف ہوتا ہے وہاں بیٹھ کر کعبے کو اور مطاف میں طواف کا دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ بلکہ جہاں سے ہمیں دیکھنے کا موقع ملا، ایک ہی منظر میں کعبہ سنہری سائبان اور اس کے سفید گنبد، رنگ برنگے پہناووں میں عبادت کرتے بھانت بھانت کے زائرین اور مکہ کا آسمان جلوہ افروز نظر آئے۔ طواف کے لیے خواتین کا آنا جانا لگا رہتا ہے اس لیے ہر فلور پر طواف کے علاقے میں عقبی جانب سنہری ریکس کے ذریعے احاطہ بنا کر خواتین کی نماز کے لیے جگہ مخصوص کی جاتی ہے ان ریکس کے اوپر سعودیہ میں رائج عربی رسم الخط والے قرآن مجید سبز رنگ کے اور پاکستان میں پائے جانے والے عربی رسم الخط والے قرآن مجید نیلے رنگ میں کاپی سائز کے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند قرآنی نسخے سرخ اور سیاہ جلد میں بھی نظر آئے جن کے رسم الخط مختلف تھے۔ بڑے سائز کے نیلے قرآنی نسخے میں عربی ترجمہ و تفسیر بھی لکھی ہوئی دیکھی۔ پہلی منزل کے ہال میں مشہور مصنفین کی عربی کتب بھی رکھی ہوئی نظر آئیں۔ خواتین حصوں میں خدام یا گارڈ خواتین سر تا پیر سیاہ عبائے میں ملبوس اپنی ڈیوٹیاں انجام دیتی اِدھر سے اُدھر پھرتی دِکھائی دیتی تھیں۔ ان کی آنکھیں تک مکمل پردے میں ہوتی تھیں اور وہ انتہائی قابل تعظیم لگتی تھیں۔

**معذوروں کے لیے کرسیاں:** مساجد الحرمین میں کرسی کا رواج بہت دیکھنے میں آیا۔ سیاہ، سرخ، سبز اور نیلی دائرہ نما سیٹ بند ہونے والی ہلکے وزن کی کرسیاں جگہ جگہ رکھی ہوئی تھیں اور ان پر وقف الحرم لکھا ہوتا تھا۔ بلاشبہہ یہ بہت کام آتی تھیں خاص کر ان لوگوں کے لیے جو عام نمازیوں کی طرح رکوع و سجود نہیں کرپاتے۔ میری والدہ کو بھی بہت فائدہ ہوا اور نماز کے علاوہ لمبی واک کے دوران اس کے ذریعے دو گھڑی آرام کی سہولت رہی۔

اللہ کریم ان تمام وقف کرنے والوں کی خدمت کو قبول فرمائے اور مزید کی توفیق دے۔ دونوں مساجد میں صفائی کا بھی خوب انتظام تھا اور اکثر مسجد کے گوشے مختلف وقتوں میں دھلتے اور کارپٹ مصلے ویکیوم ہوتے نظر آتے تھے۔ صفائی کے وقت مساجد کے اندر ایک سفید و سرخ پٹی سے متعلقے حصے کو محدود کرکے صفائی مکمل ہونے تک راستہ بند کردیا جاتا تھا۔

اصل میں اور تصاویر میں یہ بات بھی میرے مشاہدے میں آئی کہ پہلے زمانہ میں حرمین میں مکانات کے اندر ایک دیوار میں مصلے کی محراب کا رواج تھا یعنی نماز و عبادت کے لیے گھروں میں باقاعدہ مصلی یا گوشۂ عبادت مخصوص کیا جاتا تھا۔

(جاری ہے)

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں
روح پرور لمحات Perfect
عود الحرم کے ساتھ
Perfect®
Freshener
Room
Freshener
عود الحرم
oudh al haram
LA PERFUME
Dry
300 ml e
Manufactured by:
Perfect Aerosol Industries (Pvt) Ltd.
perfectairfreshener PFreshener www.se.com.pk

**نام:** ابراہیم بن یزید بن شریک۔ **لقب:** امام، قدوۃ، فقیہ، عابد کوفہ۔ **کنیت:** ابواسماء۔
**قبیلہ:** بنو تیم، تیم الرباب۔ **علاقہ:** کوفہ۔ **پیدائش:** 53ھ تقریباً (علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے کم تھی، اس سے یہ اندازہ لگایا ہے) **وفات** 92ھ
**خصوصیت:** ان کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ **مشہور اساتذہ:** انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ۔ یزید بن شریک تیمی رحمۃ اللہ علیہ۔ **مشہور تلامذہ:** اَعمش، یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہما۔

**تعارف:** ابراہیم بن یزید کے والد بھی بڑے عالم تھے، جنھوں نے اپنے بیٹے کی بہت خوب تربیت کی تھی۔ ابراہیم نے اپنے والد کے علاوہ چند صحابہ سے بھی علم حاصل کیا، جن میں انس بن مالکؓ بھی ہیں۔ انتہائی عبادت گزار تھے، اللہ سے ڈرنے والے تھے اور مسجد میں حلقہ لیتے تھے، جس میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، جس کا عمل مضبوط ہو اس کے وعظ کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ابراہیم بہت زبردست عمل والے تھے، ان کے شاگرد اعمش کہتے ہیں: ”ابراہیم جب نماز میں سجدے میں سر رکھتے تو ایسا لگتا جیسے چٹان پڑی ہوئی ہے، ذرہ برابر حرکت نہیں ہوتی، پرندے آکر پیٹھ پر بیٹھ جاتے تھے۔“

یعنی سجدہ بے حرکت بھی ہوتا تھا اور خوب طویل اور لمبا بھی ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کے وعظ میں بہت زیادہ اثر تھا۔

فرماتے تھے: ”اگر تم کسی کو دیکھو کہ تکبیرِ اولی کی پروا نہیں کر رہا تو اس کو چھوڑ دو!“

**بے مثال ایثار:** ابراہیم بن یزید کا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی تاریخ میں مثال بہت کم ملتی ہے۔ نایاب نہیں تھی تو انتہائی کم یاب ضرور ہے۔ مال و دولت میں ایثار کرنے والے تو بہت ہوتے ہیں، لیکن کون ایسا ہوتا ہے جو اپنی جان کا ایثار کر بیٹھے، یعنی اپنے اسلامی بھائی کی خاطر اپنی جان کو داؤ پر لگا دے!!؟

ابراہیم بن یزید تیمی کے زمانے میں ایک اور عالم تھے، چند سال ان سے عمر میں بڑے تھے، انھی کے علاقے (کوفہ) میں تھے اور ان کے ہم نام بھی تھے، بلکہ ان دونوں کے والد کا نام بھی ایک ہی تھا، تاہم وہ نخعی تھے اور یہ تیمی، ان کا پورا نام تھا: ابراہیم بن یزید نخعی، ان کی پیدائش 46ھ میں ہے اور وفات 96ھ۔ دونوں بہت اونچے درجے کے عالم اور بڑے تابعین میں سے تھے۔

اس زمانے میں حجاج بن یوسف کوفے کا گورنر تھا، جو کہ انتہائی ظالم شخص تھا، تاریخ اس کے ظلم و ستم کی گواہ ہے۔ وہ معمولی سے جرم پر تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں زندگی بھر کے لیے قید کر دیا کرتا تھا اور اپنی چھوٹی سے چھوٹی مخالفت کو بھی ذرہ برابر برداشت نہیں کرتا تھا، اگرچہ مخالف کوئی جائز بات بھی کر رہا ہو یا درست موقف رکھتا ہو اور وہ ان کو بہت جلدی قتل کر دیتا تھا، یعنی بہت مختصر سے مختصر سی بات پر گردن اڑا دیتا تھا۔

اس وجہ سے اس کے زمانے میں بہت سے علما و تابعین کو حجاج کی جانب سے سخت مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ صحابہ تک کو حجاج کی طرف شدید تکالیف اٹھانی پڑی، یہاں تک کہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو کہ جنت کی بشارت پانے والے صحابی ہیں حضرت زبیر بن عوام کے بیٹے ہیں، وہ بھی حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح حجاج کی طرف سے بہت سے علما کو تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی حجاج بن یوسف سے اَن بَن ہو گئی، حجاج نے ان کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا۔

حجاج بن یوسف نے سپاہی بھیجے کہ وہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑ کر لائے، اتفاق سے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی تھے، حکومت کے اہل کاروں نے گھر کے دروازے پر دستک دی اور پوچھا: یہاں ابراہیم بن یزید کون ہے؟ انھیں یہ گمان تھا کہ انھیں مجرم کو ڈھونڈنے میں بہت دِقّت اٹھانا پڑے گی اور کافی تگ و دو کے بعد وہ اس تک پہنچ سکیں گے، کیوں کہ حجاج بن یوسف نے ان کے بارے میں بہت سخت ہدایات دی تھیں اور گرفتار کرنے کے بعد ان کے لیے بہت سخت سزاؤں کا حکم صادر کیا ہوا تھا۔

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آگے بڑھ کر کہا: ”میں ہوں ابراہیم بن یزید!“ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، انھیں پکڑا اور حجاج بن یوسف کی ہدایات کے مطابق سیدھا کوفہ سے واسط (کوفہ کے قریب شہر) لے گئے، اور وہاں کے سخت ترین قید خانے میں قید کر دیا، وہ اس قدر اذیت ناک قید خانہ تھا کہ وہاں دو قیدیوں کو ایک زنجیر میں قید کیا گیا تھا، سردی گرمی اور دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ سخت اذیتیں برداشت کرکے ان کا چہرہ ہی بدل گیا، ان کی والدہ ملاقات کے لیے آئیں تو پہچان ہی نہ سکیں، بات کرکے پتا چلا کہ یہی ان کا بیٹا ہے۔ بس پھر چند روز بعد ہی سختیاں جھیل کر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

حجاج بن یوسف نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: ”آج کی رات اس شہر میں ایک جنتی انسان انتقال کر گیا ہے!“

حجاج نے صبح سویرے اہل کاروں سے پوچھا کہ: رات کو یہاں واسط میں کس کا انتقال ہوا ہے؟

انھوں نے بتایا کہ آپ کے جیل میں ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ہے!

حجاج نے فوراً کہا: اف ہو، بے کار خواب ہے یہ!!

یقیناً حجاج بن یوسف نے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ (اور ان جیسے کئی نیک لوگ اور علما کو) اذیت پہنچائی، لیکن اس کے تین سال بعد خود حجاج بھی دنیا سے رخصت ہوا۔

اور پھر دونوں کو کس طرح دنیا نے یاد رکھا، اس کا ایک نمونہ دیکھیے:

ایک بہت بڑے محدث اور مؤرخ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حجاج بن یوسف کے بارے میں فرماتے ہیں: انتہائی ظالم، جابر، اور خون بہانے والا انسان تھا، ہم اس کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ یہ بدترین القاب سے یاد کیے جانے کے قابل ہے، ہم اس سے محبت نہیں کرتے بلکہ بغض رکھتے ہیں اور ہمارا یہ بغض بھی اللہ کے لیے اور اللہ کے دین کے لیے ہے۔۔۔۔

ایک اور بہت بڑے مفسر، مؤرخ اور محدّث گزرے ہیں، علّامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ وہ حجاج بن

یوسف کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وہ ظالم تھا، سخت مزاج اور ضدی تھا، خون بہانے میں (یعنی قتل کرنے میں) بہت بے باک تھا، معمولی سی غلطی پر گردن اڑا دیتا تھا اور اس سے بعض ایسے الفاظ اور ایسی باتیں نقل کی گئی ہیں، جن سے کفر کی بو آتی ہے۔۔۔“

اور دوسری طرف ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام عزت و احترام سے لیا گیا، لکھا گیا اور نقل کیا گیا، اور تاریخ کی کتابوں میں سنہرے حروف میں اسے جگہ ملی، اور صرف کتب تاریخ میں ہی نہیں بلکہ سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں جو ناموں کا سلسلہ ہوتا ہے، جسے سند کہتے ہیں، جس میں ان تمام علما اور محدّثین کے نام آتے ہیں جن کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل ہوئی اور کتابوں میں جمع کی گئی۔

حدیث کی مشہور چھے کتابیں ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

1. صحیح بخاری
2. صحیح مسلم
3. سنن ابی داود
4. جامع ترمذی
5. سنن نسائی
6. سنن ابن ماجہ

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام حدیث کی ان چھے کی چھے کتابوں میں ملتا ہے۔

یعنی جس طرح قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی روشنی پائندہ اور تابندہ رہے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال دہرائے جاتے رہیں گے، اسی طرح ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی دعاؤں کے ساتھ یاد رکھا جائے گا اور سدا زندہ و تابندہ رہے گا۔

اور یہ تو دنیا کی بات ہے، اصل فیصلہ تو آخرت کا ہے اور وہاں تو ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ ملنے ہے۔ بے شک ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں اور خدمات کا حقیقی صلہ تو خود سبحانہ و تقدس ہی دیں گے۔

## ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟

جن محدّث ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جان قربان کر دی، وہ بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھے، بلکہ عراق کے بہت بڑے فقیہ (دینی مسائل کی ٹھوس سمجھ رکھنے والے مضبوط عالم) تھے اور کوفہ کے مفتی تھے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ

”فَإِذَا رَأَيْتَ عَلْقَمَةَ، فَلَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَرَى عَبْدَ اللهِ، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ سَمْتاً وَهَدْياً. وَإِذَا رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيَّ، فَلَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَرَى عَلْقَمَةَ، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ سَمْتاً وَهَدْياً.“

اگر آپ نے علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیا تو یوں سمجھو گویا عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا، کیوں کہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے عادات اور طور طریقے میں بہت ملتے تھے اور اگر ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیا تو ایسا سمجھو جیسے کہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیا، کیوں کہ ابراہیم نخعی علقمہ سے عادات اور طور طریقے میں بہت ملتے تھے۔

اور یہی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، جو کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔

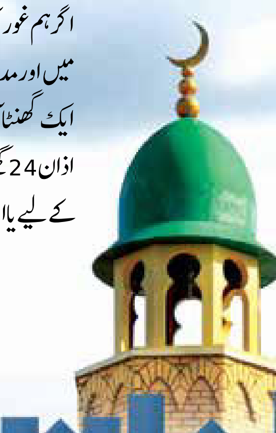

# اذان کی شان

یعقوب محمد

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ فرض نماز سے پہلے اذان دیجیے۔ ذرا غور فرمائیں اذان کا حکم دینے والے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نور کا دماغ کتنا سلجھا ہوا تھا۔

”سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغ رہبری“

اگر ہم غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ اذان چوبیس گھنٹے فضا میں گونجتی رہتی ہے۔ کوئی لمحہ خالی نہیں رہتا۔ دیکھیے اس وقت کراچی میں صبح کے 10 بجے ہیں تو اس وقت مکہ معظّمہ میں اور مدینہ منورہ میں دن کے 8 بجے ہیں اور انگلینڈ میں صبح کے 6 بجے ہیں، یہ تو مغرب کی بات ہوئی۔ اب مشرق کی طرف نظر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ کوئی شہر ہم سے ایک گھنٹا آگے ہے کوئی 2 گھنٹے آگے ہے، کوئی 3 گھنٹے آگے۔ القصہ مختصر ہر 35/30 میل کے فاصلے پر وقت میں ایک دو منٹ کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس حساب سے اذان 24 گھنٹے فضا میں گونجتی رہتی ہے۔ کوئی لمحہ خالی نہیں رہتا۔ اب دنیا کی کوئی قوم یا کوئی ملک اذان کے مقابلے میں کوئی شے اپنے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کرنے کے لیے یا اپنی طرف بلانے کے لیے دکھادے۔ اذان میں کتنی خوبی ہے، کتنی رونق ہے، کتنی کشش ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

یہ صبح جو کبھی فردا ہے اور کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا

دوسری جگہ شاعرِ ملت نے پیغام دیا ہے

افکار و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

اسلام کو مٹانے کی کوششیں اور سازشیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن اسلام مٹنے والا مذہب نہیں ہے۔ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اذان سن کر اس کا جواب دینے والے کو کتنا بڑا انعام دیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اذان کا جواب دینے والے کے لیے جنت ہے۔

# حضرت حلیمہ سعدیہ

ندا اختر

حضرت حلیمہ بنت ذویب سعدیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنے علاقے سے روانہ ہوئیں۔ ایک دودھ پیتا بچہ (عبداللہ بن حارث) بھی ساتھ تھا بنو سعد کی چند دائیوں میں شیر خوار بچوں کی تلاش میں۔ کہتی ہیں یہ ایسا قحط کا سال تھا کہ ہمارے لیے کچھ نہ بچا تھا۔ کہتی ہیں ایک سفید گدھی پر روانہ ہوئی، ہمارے ساتھ ہماری ایک اونٹنی تھی۔ بخدا ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا، ہم پوری رات نہ سوتے، اپنے اس بچے کی وجہ سے جو ہمارے ساتھ تھا۔ بھوک سے اس کے بلبلانے کی وجہ سے، نہ تو میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا جو اسے کافی ہوسکے، نہ ہماری اونٹنی میں اتنا کہ اس کی غذا بن سکے، لیکن ہم بارش اور خوش حالی کی امید رکھتے تھے، خدا خدا کرکے ہم مکہ مکرمہ پہنچے، شیر خوار بچوں کی تلاش میں رہے، ہم میں کوئی دائی نہ تھی مگر اس کے سامنے درِّ یتیمؐ پیش کیے گئے، وہ انکار کردیتی جب اسے کہا جاتا کہ یہ یتیم ہے۔ امید نہ تھی کہ اس کی والدہ اور دادا کچھ خدمت کرسکیں گے (اجرت دے سکیں گے) سب اسی وجہ سے کترا رہی تھیں۔ میرے ساتھ آنے والی تمام خواتین نے کسی نہ کسی بچے کو لے لیا، بس میں ہی باقی رہ گئی تھی۔ سو جب ہم نے واپس چلنے کا ارادہ کیا، میں نے اپنے میاں سے کہا۔ بخدا مجھے برداشت نہیں کہ میں اپنی سہیلیوں میں لوٹوں اور میں نے کوئی دودھ پیتا بچہ نہ لیا ہو۔ اللہ کی قسم میں اسی یتیم کی طرف جاتی ہوں اسے لاتی ہوں۔ انھوں نے کہا: ایسا کرنے میں نقصان تو کوئی نہیں، ایسا ہی کرلو، اللہ سے امید ہے ہمارے لیے اسی میں برکت فرمادیں گے۔ کہتی ہیں بس میں ان کی طرف جاکر انھیں لے آئی۔ سچ ہے بہ ظاہر اس بچے کو لینے میں کوئی دل چسپی نہ تھی، لیکن خالی ہاتھ لوٹنا مجھے پسند نہ تھا۔

کہتی ہیں جب میں انھیں لے کر اپنی سواری کی طرف واپس آئی تو جب میں نے انھیں اپنی گود میں رکھا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے، جتنا چاہا دودھ پیا حتیٰ کہ سیر ہوچکے، اس کے ساتھ اس کے بھائی نے پیا آخر وہ بھی سیر ہوچکا، پھر وہ دونوں سوگئے۔ اس سے پہلے ہم اس کے ساتھ نہ سوئے تھے، میرے میاں ہماری اونٹنی کی طرف کھڑے ہوکر بڑھے اچانک وہ تو دودھ سے لبریز تھی۔ اس سے اتنا دودھ دوہا جو انھوں نے پیا ان کے ساتھ میں نے بھی پیا، ہماری سیرابی اور پیٹ بھرنے کی اخیر ہوگئی۔ ہم نے اچھی رات گزاری۔ کہتی ہیں جب ہم نے صبح کی تو میرے میاں کہتے ہیں۔ اے حلیمہ! تو جانتی ہے اللہ کی قسم تُو تو مبارک بچہ لائی ہے۔ کہتی ہیں میں نے جواب دیا۔ واللہ! مجھے بھی اس سے یہی امید ہے۔ کہتی ہیں پھر ہم واپس روانہ ہوئے، میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی۔ انھیں بھی اپنے ساتھ اس پر سوار کیا، واللہ وہ تو سب سواروں کو کاٹ گئی اور آگے نکل گئی، ان کی سواریوں میں سے کوئی اس کا کچھ مقابلہ نہ کر پارہی تھی۔ آخر کار، میری سہیلیاں کہہ اٹھیں اے بنت زویب! ہم پر آسانی کر، کیا یہ تیری وہی گدھی نہیں ہے جس پر تو نکلی تھی تو میں ان سے کہتی کیوں نہیں، واللہ! وہ تو وہی ہے، وہ کہنے لگیں: واللہ! اس کی تو بڑی شان ہے۔

کہتی ہیں: پھر ہم جو سعد کے علاقے میں اپنے گھروں کو پہنچے، اس سے زیادہ خشک سالی والی کوئی زمین میں نہیں جانتی، جب سے ہم اس بچے کو اپنے ساتھ لے کر آئے تو شام کو میری بکریاں شکم سیر دودھ سے لبریز آتیں، ہم دودھ دوہتے پیتے اور کوئی شخص بھی ایک بوند دودھ کی نہ نکالتا اور نہ ہی اسے تھنوں میں پاتا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ ہماری قوم کے موجودہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے، تمہاری ہلاکت وہاں چرانے لے جاؤ جہاں بنت ابی زویب کا چرواہا لے جاتا ہے۔ ان کی بکریاں شام کو بھوکے پیٹ واپس آتیں، ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا۔ میری بکریاں شام کو بھرے پیٹ دودھ سے لبریز واپس آتیں۔ سو لگاتار ہم اللہ کی طرف سے خیر و بڑھوتری کا نظارہ کرتے رہے، حتیٰ کہ انھیں دو سال گزر گئے۔ میں نے انھیں دودھ چھڑا دیا۔

آپ ایسے بڑھتے کہ کوئی بچہ ان کے برابر کا نہ تھا۔ ابھی اپنی عمر کے دو سالوں کو نہ پہنچے تھے کہ تگڑا بھلا لڑکا معلوم ہوتے۔ کہتی ہیں ہم ان کی والدہ کے پاس لائے اور ہم اپنے پاس ان کے ٹھہرنے پر زیادہ حریص تھے۔ اس برکت کی وجہ سے جو ہم دیکھ رہے تھے تو ہم نے ان کی والدہ محترمہ سے بات کرہی دی، ان سے میں نے کہا اگر آپ میرے بچے کو میرے پاس چھوڑ دیں حتیٰ کہ مضبوط ہوں۔ میں تو ان پر شہر کی وبا کا اندیشہ کرتی ہوں، سو ہم مسلسل ان سے اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ اس نے ہمیں واپس کردیا تو ہم ان کے ساتھ لوٹے۔ واللہ! ہمارے آنے کے چند ماہ بعد وہ ہمارے گھروں کے پیچھے بکریوں کے بچوں میں تھے، اچانک ان کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا مجھے اور اپنے باپ سے کہا۔ وہ میرا قریشی بھائی اسے دو سفید لباس مردوں نے پکڑا، لٹایا ہے، اس کا سینا چیرا ہے، پھر وہ اسے سی رہے ہیں۔ کہتی ہیں ہم دونوں ان کی طرف لپکے تو ہم نے انھیں کھڑا پایا، اس حال میں کہ چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ کہتی ہیں ہم انھیں لپٹ گئے۔ کہا کیا ہوا میرا بیٹا؟ اطمینان سے فرمایا میرے پاس دو سفید کپڑوں والے مرد آئے۔ مجھے لٹایا میرا سینہ چیرا اس میں کچھ تلاش کیا۔ پتا نہیں کیا تھا۔ کہتی ہیں ہم انھیں اپنے خیمہ میں واپس لائے۔

کہتی ہیں مجھے ان کے والد نے کہا: اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ اس لڑکے کو کوئی مصیبت نہ پہنچ جائے۔ اس کے ظاہر ہونے سے پہلے انھیں گھر پہنچادے۔ کہتی ہیں پھر ہم انھیں لے کر ان کی والدہ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے دریافت کیا: اے دائی! تمھیں اس کے ساتھ کیا چیز لائی؟ حالاں کہ تو تو ان کے اپنے پاس رہنے پر حریص تھی۔ کہتی ہیں میں نے کہا: یقیناً اللہ نے میرے بیٹے کو بڑا کردیا ہے۔ میں نے اپنی ذمے داری پوری کردی ہے اور مجھے ان پر حوادث کا خطرہ ہوا تو میں نے آپ کو پہنچادیا، جیسے آپ چاہتی ہیں۔ فرمایا تیرا یہ حال نہیں، مجھے سچ سچ بتلادو۔ کہتی ہیں انھوں نے مجھے نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ میں نے واقعہ بتلادیا۔ فرمایا: کیا تجھے ان پر شیطان کا خطرہ لگا؟ کہتی ہیں میں نے کہا جی ہاں، فرمایا: ہر گز نہیں، واللہ! اس پر شیطان کا کوئی چارہ نہیں۔ میرے بچے کی تو بڑی شان ہے۔ تو تو نہ بتلا رہی تھی کیا پھر میں تجھے ان کا واقعہ نہ بتلاؤں؟ کہتی ہیں میں نے کہا ضرور، بتلایا: حمل کے وقت میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایسا نور نکلا جس نے ملکِ شام کے شہر بصرہ کے محل میرے لیے روشن کردیے، پھر میں حمل سے رہی، بخدا میں نے کوئی ایسا ہلکا اور آسان ترین حمل نہیں دیکھا ولادت کے وقت واقعہ ہوا کہ اس نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے ہیں، سر آسمان کی طرف بلند ہے تو انھیں چھوڑ دے اور خوشی خوشی جا۔

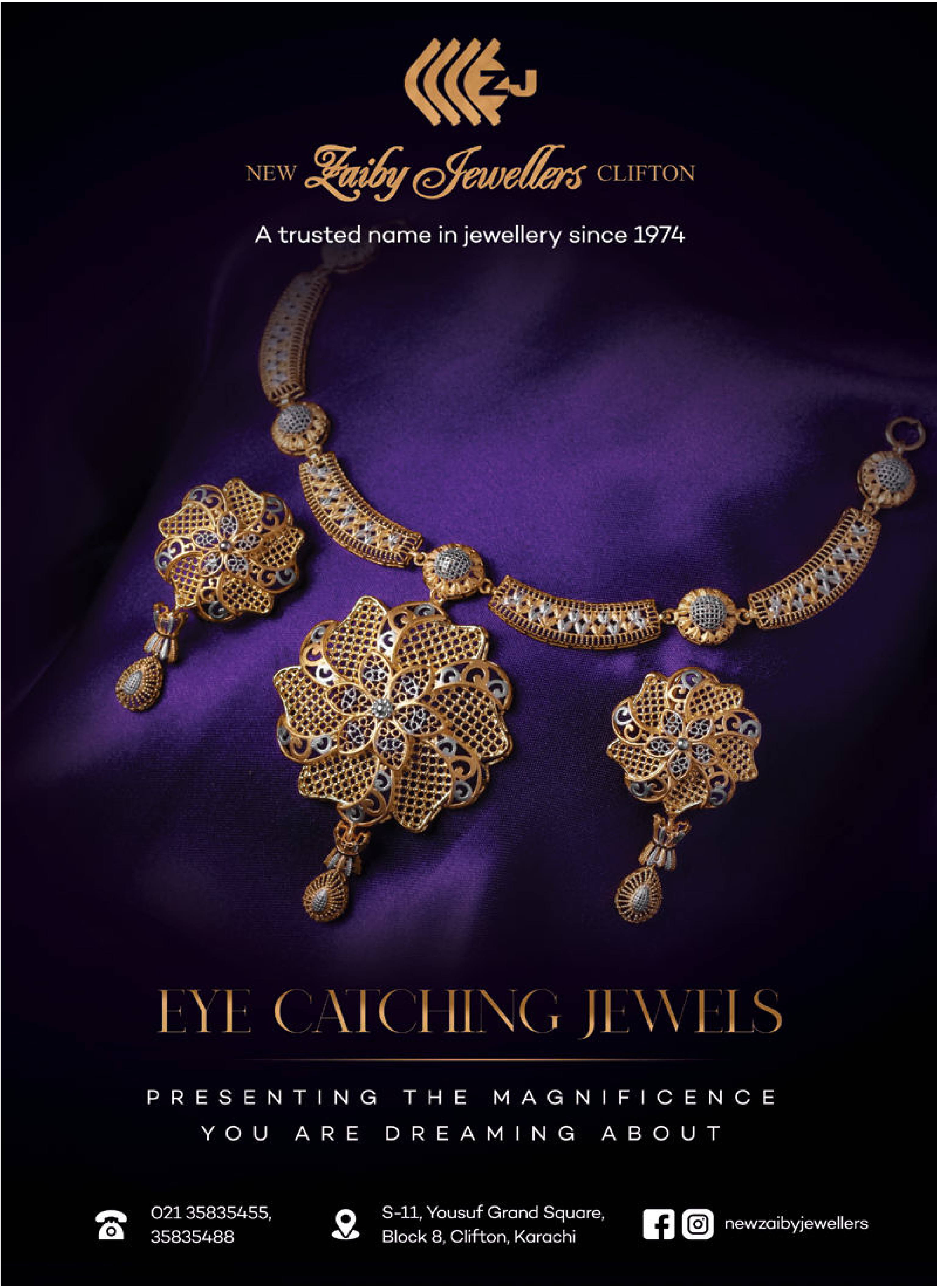

Z J
NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
EYE CATCHING JEWELS
PRESENTING THE MAGNIFICENCE
YOU ARE DREAMING ABOUT
021 35835455,
35835488
S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi
newzaibyjewellers

# ذیابیطس

حصہ اوّل

حکیم شمیم احمد

**شوگر کی تاریخ:** ذیابیطس نہایت قدیم بیماری ہے۔ اس کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ "ذیابیطس" یونانی زبان کا لفظ ہے۔

● مشہور ویدچرک سترت نے اپنی کتابوں میں اس مرض کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جن کا زمانہ 300 قبل مسیح ہے۔ انھوں نے اس مرض کا نام "مدھومیہ" رکھا تھا، اس کی تمام تفصیلات اور اسباب وعلامات بیان کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا تھا کہ اس بیماری کا علاج دوا، غذائی پرہیز اور ورزش کے ذریعے کرنا چاہیے، ان تدابیر سے اس مرض کو قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔

● شیخ الرئیس ابن سینا نے بہت واضح طور پر اس کا تذکرہ کیا حتیٰ کہ اس کی مخصوص علامات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عارضوں۔ مثلاً، جسمانی، دماغی، اور جنسی کمزوری پر بھی روشنی ڈالی اور یہ بھی بتایا کہ مرض کی انتہائی صورتوں میں شب چراغ (کاربنکل یعنی پشت پر پھوڑا ہو جاتا ہے)۔ سل ودق اور گینگرین جسم کے کسی حصے کا مردہ ہو کر سوکھ جانا بھی ہو سکتے ہیں۔

● 1869ء طب کے ایک بائیس سالہ طالب علم "پال لینگر ہینس" نے لبلبہ (پینکریاز) میں خلیات کے ایسے چھوٹے چھوٹے جزائر دریافت کیے جو عام خلیات سے مختلف تھے۔ ان خلیوں کا نام بھی محقّق کے نام پر ہی رکھ دیا گیا۔ لبلبہ جگر کے قریب پایا جانے والا ایک غدود ہے۔

**انسولین۔۔۔ لبلبہ کی تیار کردہ رطوبت:** 1919ء "میک کالم" نے تصدیق کردی کہ جزائر سے ایک مخصوص رطوبت خارج ہوتی ہے، جسے انسولین کہا جاتا ہے، یہ رطوبت براہ راست خون میں جذب ہو کر شکر کے تناسب کو قائم رکھتی ہے۔ شکر کے ہضم ہونے کا مذکورہ نظام ذیابیطس کی حالت میں بگڑ جاتا ہے، چناں چہ شکر عضلات تک پہنچ کر حرارت اور توانائی پیدا نہیں کرسکتی بلکہ پیشاپ کے ذریعے خارج ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جسم میں قوت اور حرارت پیدا کرنے کے لیے جسم پہلے جمع شدہ چربی کو خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد عضلات کا نمبر آ جاتا ہے۔ شکر کے نظامِ ہضم میں اس خرابی کی وجہ سے ایمونیا ایسی ٹون باڈی جیسی چیزیں بننے لگتی ہیں، جو کہ صحت کے لیے مضر بھی ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں مرض بڑھ جاتا ہے۔

**دماغ میں شوگر کنٹرول کا بٹن:** دماغ کے بطن چہارم میں ایک مرکز قبہ شکری (شوگر پنچر) کے نام سے پایا جاتا، جس کا کام جسم میں شکر کی مقدار کو کنٹرول کرنا ہے۔ دماغ کے اس مرکز کے قریب اگر کوئی پھوڑا یا رسولی ہو جائے، تب بھی شوگر آنے لگتی ہے۔ بعض اوقات گردوں کے امراض اس مرض کو پیدا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

**لبلبہ اور جگر کی جسم میں اہمیت:** تجرباتی طور پر جسم سے لبلبہ کو الگ کرکے دیکھا گیا تو فوراً پیشاپ میں شکر آنا شروع ہو گئی اور اگر جسم کے کسی اور حصہ میں ہی لبلبہ کی پیوندکاری کردی گئی تو شکر آنا بند ہو گئی۔ لبلبہ کے بعد دوسرا عضو جو کہ اس میں اہمیت رکھتا ہے وہ جگر ہے، چوں کہ جگر ہی شکر کو شکر انگوری میں تبدیل کرنے پھر اسے شکر حیوانی میں بدل کر اپنے اندر جمع رکھنے کا کام انجام دیتا ہے، اگر کسی وجہ سے وہ اپنے فرائض پورے نہ کرسکے تو شکر جسم میں حرارت پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ جگر کی یہ خرابیاں کبھی ازخود پیدا ہوتی ہیں اور کبھی دماغ کے متاثر ہونے کی بنا پر جگر اپنا کام نہیں کرپاتا۔

**شوگر کی بیماری لگنے کے اسباب:** یہ بات تو واضح ہو گئی کہ لبلبہ، دماغ، جگر، اور گردے اس مرض کو پیدا کرنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، مگر وہ کیا چیزیں ہیں جو ان اعضا کو متاثر کردیتی ہیں۔ ان کا جائزہ ہمیں لینا چاہیے، عام طور پر:

● شیرینی کا کثرت سے استعمال ● نشاستے کی زیادتی ● سست زندگی بسر کرنا ● ورزش نہ کرنا ● موٹاپا اور بہت زیادہ محنت مشقت کے بعد فوراً ٹھنڈا پانی پی لینا

● کثرتِ مجامعت ● غمگین رہنا ● سر یا ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ لگنا، ● حرام مغز یا دماغ کے امراض ذیابیطس کو جنم دیتے ہیں۔ ● مے نوشی ● آتشک ● بعض دوسری بیماریوں

● جوڑوں کا دردِ ● ملیریا و ٹائیفائڈ کے بعد پیشاپ میں شکر آنے لگتی ہے۔ ● کبھی آنتوں کی بیماریاں اور گردے پہ پائے جانے والے غدود کی خرابی بھی مرض کا سبب بن جاتی ہے۔

● دماغی محنت زیادہ کرنا (اسی وجہ سے وکیل، معالج، مصنفین، مدیرانِ جرائد وغیرہ اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں)

**دنیا بھر میں شوگر کا تناسب:** یہ مرض بالعموم پچیس سے تیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہوتا ہے۔ ادھیڑ عمر افراد اس کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں، عورتوں کے مقابلے میں مردوں میں اس بیماری کا تناسب دوگنا ہے۔ مہذّب ممالک میں خصوصاً سفید فام اقوام میں زیادہ عام ہے اور یہودی سب سے زیادہ اس مرض کا شکار ہیں۔ اسے کھاتے پیتے لوگوں کی بیماری کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔ یہ مرض وراثت میں بھی ملتا ہے اور کبھی ایک ہی خاندان میں اس مرض کو قبول کرنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے۔

**شوگر کی علامات:** اس مرض کو پہچاننے کے لیے چند ضروری باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے، مثلاً:

• بغیر کسی وجہ کے پیاس بڑھ جانا • پیشاب کا بار بار خصوصاً رات کے دوران زیادہ مقدار میں آنا، جسم دن بدن کمزور ہوتا ہوا محسوس ہو تو اپنا پیشاب ٹیسٹ کروالینا چاہیے۔ یوں بھی چالیس سال کی عمر کے بعد اکثر بیشتر پیشاب کا معاینہ کرتے رہنا مناسب ہوتا ہے، کیوں کہ اس مرض میں یہ بڑا عیب ہے۔ اکثر یہ غیر محسوس طور پر شروع ہوجاتا ہے اور مریض کو برسوں تک پتا نہیں چلتا، البتہ چوٹ، صدمہ یا دیگر امراض کے نتیجے میں ہونے والی ذیابطیس یکایک ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی علامت بھی شدید ہوتی ہے، اسی طرح اگر یہ مرض جوانوں کو ہوجائے تو شدید ہوتا ہے اور خطرناک بھی۔

مرض کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ علامات میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، چناں چہ • منہ اور حلق خشک رہنے لگتا ہے۔ • شدید پیاس لگتی ہے۔ • مسوڑھے پھول جاتے ہیں اور ان میں درد رہتا ہے۔ • دانت خراب ہوجاتے ہیں اور ڈھیلے ہو کر گرنے لگتے ہیں۔ • منہ کا ذائقہ میٹھا رہتا ہے۔ • سانس سے بھی مخصوص بو آتی ہے۔ کبھی ہاضمہ خراب رہتا ہے۔ • کھٹی ڈکاریں آتیں ہیں۔، مگر زیادہ تر مریضوں میں بھوک بڑھ جاتی ہے۔ • یہاں تک کہ بعض مریضوں کو کھانے کا ہوکا ہوجاتا ہے۔ • قبض رہنے لگتا ہے اور روز بروز کمزوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ • ہمت جواب دینے لگتی ہے۔ • سستی و مردنی چھائی رہتی ہے۔ • درد سر اور سر چکرانے کی شکایت رہتی ہے۔ • مزاج چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ جلدی امراض مثلاً خارش پھوڑے پھنسیاں ہونے لگتی ہیں۔ • جلد سے بھوسی جھڑتی ہے یا داغ چھائیاں ہونے لگتی ہیں۔

ذیابطیسی کی علامات یہ ہیں: • پیشاب میں یکایک شکر کم، بلکہ ختم ہوجائے۔ • سانس سے میٹھی میٹھی بو کے بجائے کلوروفارم جیسی بو آنے لگے۔ معدے میں سخت درد ہو اور ساتھ ہی متلی کا احساس ہو۔ • پیشاب میں ایسی ٹون اور ڈائی ایسٹک ایسڈ موجود ہوں تو حملے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔ ان علامتوں کے محسوس ہوتے ہی فوراً علاج کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

**ذیابطیس کی دوا کب شروع کی جائے:** ذیابطیس کی ابتدا میں جب تک کہ پیشاب کی مقدار چار پانچ لیٹر یومیہ سے نہ بڑھی ہو، غذائی علاج اور پرہیز بہت مناسب ہے اور اسی طرح مرض کو قابو میں کرلیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو دیسی دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا چاہیے، جن کو آیندہ شمارے میں شاملِ تحریر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ خاص طور پر شوگر کے مریض ذہنی دباؤ اور ٹینشن سے کیسے نجات پائیں، ان شاء اللہ! آیندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

**ذیابطیس کے مریضوں کے لیے چند احتیاطی تدابیر:** ذیابطیس کے مریضوں کو چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ لمبے عرصے تک ان کی جسمانی حالت کمزور نہ ہوسکے اور اس مرض سے پیدا ہونے والے عارضوں سے بچ سکیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت غذا کی ہے۔

• ایسی غذا جس میں کم سے کم نشاستہ اور شکر شامل ہو منتخب کرنی چاہیے۔ نشاستہ اور شکر بالکل بند کردینے یا ضرورت سے کم لینے کے باعث جسم کا گوشت گھلنے لگتا ہے اور مریض بہت تیزی سے کمزور ہوجاتا ہے۔ • سفید شکر، چاول، میدہ خصوصیت کے ساتھ مضر ہیں، ان سے اجتناب برتنا چاہیے۔

• گنے کے رس میں قدرتی طور پر کچھ ایسے اجزا شامل ہوتے ہیں جو کہ جسم میں انسولین کی پیدائش کو بڑھادیتے ہیں۔ اور کسی قدر اصلی گڑ میں بھی پائے جاتے ہیں، مگر سفید شکر ان سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ • خالص شہد بھی تھوڑی مقدار میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

• زمین کے اندر پیدا ہونے والی ترکاریوں سے مرض کی کمی اور زیادتی کو دیکھتے ہوئے پرہیز مناسب ہے، مگر آلو میں نشاستے کی مقدار گندم کے آٹے کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے، خاص کر اگر آلو بغیر چھیلے استعمال کیا جائے تو زیادہ مفید ہوتا ہے۔ • گندم کے آٹے سے اگر میدہ کو چھان کر الگ کردیا جائے تو یہ بہت مناسب ہوجاتا ہے، یا پھر جو یا باجرے کا آٹا استعمال کیا جائے۔ • موٹاپا اور بڑھا ہوا وزن کئی طرح نقصان دہ ہوتا ہے، اسے عتدال پر رکھنا چاہیے۔ • غذا میں گوشت مفید ہے، مثلاً مرغی، مچھلی، شکار کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ • کلیجی مضر ہے۔ • بہت چکنا گوشت بھی نقصان کرتا ہے انڈے کم مقدار میں لیے جاسکتے ہیں۔ • مکھن بالائی اور دہی، اعتدال میں استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

• سبزیوں میں پتوں والی سبزیاں مناسب ہیں۔ • لوکی، تورای اور کدو بھی لیے جاسکتے ہیں۔ • پھلوں میں کھجور، انگور، انجیر بہت کم مقدار میں کھانے چاہیے، آڑو اور انار لیے جاسکتے ہیں یا آڑو یا چکوترا بھی مناسب ہے۔ • مغزیات میں بادام، چلغوزہ، پستہ اخروٹ کھانے کی اجازت ہے۔

• تفکّرات وصدمات سے بچنا چاہیے، ہلکی ورزش اور کھیل کود میں دل چسپی بھی ضروری ہے۔ سردی سے حفاظت اور گرم کپڑے پہنا بھی ضروری ہیں۔

مفتی محمد توحید

# مسائل پوچھیں اور سیکھیں

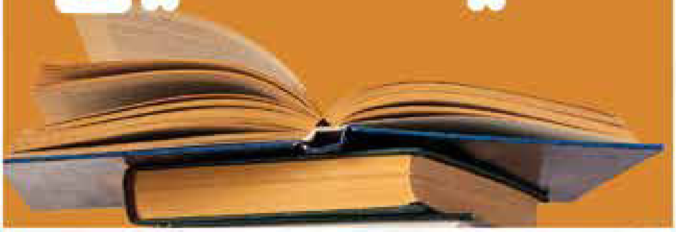

## خودکشی ایک تشویش ناک سماجی مسئلہ

**سوال:** گزشتہ کچھ عرصے سے وطنِ عزیز میں خودکشی کے واقعات میں تشویش ناک حد تک اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوتی ہیں ، جن میں مردوخواتین کی خودکشی کاذکر ہوتا ہے۔ان میں بعض واقعات معاشی بدحالی، گھریلوناچاقی، سسرال کی زیادتی یادیگر بعض پریشانیوں کی وجہ سے نمودار ہوتے ہیں۔کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ قرض اور سوددرسود نے ان کو سخت ذہنی تناؤمیں مبتلا کیاہے اوران کی ہمت جواب دے گئی۔ایسی صورتِ حال کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں اورخودکشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**جواب:** واضح رہے کہ کسی بھی انسان کے لیے چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ،خود کشی نازیبا اور بالکل غیر مناسب عمل ہے، لیکن مسلمان کے لیے خودکشی کاارتکاب تو مقامِ افسوس بھی ہےاورلائق حیرت بھی، کیوں کہ خودکشی کی بنیادایمانی کمزوری یااس سے محرومی ہے،اس لیے کہ جو شخص خداپرایمان رکھتاہواوریقین کرتاہو کہ باری تعالیٰ دشواریوں کی سیاہ رات کی کھوکھ سےآسانی کی صبح طلوع کرسکتاہے۔جو شخص تقدیرپرایمان رکھتاہو کہ خوش حالی اورتنگ دستی ،آرام اورتکلیف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔صبر وقناعت مسلمان کاشیوہ ہےاورجو مسلمان عقیدہ آخرت کاقائل ہے کہ زندگی کی آزمائشوں سے تھکے مسافروں کے لیے وہاں سامانِ راحت کاایساشاندارانتظام ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی اورروح نہال ہوجائے گی۔وہ کیسے مشکل گھڑیوں میں اللہ کی چوکھٹ پراپنی پیشانی رکھنے یا بارگاہِ ربانی میں دستِ سوال درازکرنےاوررحمتِ خداوندی سے امیدوار ہونے کی بجائے مایوس ہوکراپنےآپ کوہلاک کرسکتاہے!!

دراصل ایک مسلمان آخرت کی زندگی سے غافل ہوکراس طرح کے جرم کاارتکاب کرتاہے کہ خودکشی کرکے میری جان چھوٹ جائے گی، حالاں کہ آگے چل کر مسائل اور مصائب کاایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتاہے۔

انسان اپنی زندگی کاخودمالک نہیں ، بلکہ امین ہے۔یہ زندگی انسان نے خودحاصل نہیں کی ، بلکہ اسے دی گئی ہےاورممکنہ حدتک اس زندگی کی حفاظت انسان کی ذمے داری ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بیمار ہونے کی صورت میں لوگوں کوعلاج ومعالجے کاحکم دیاہےاورخود آپ ﷺ نے بھی اپناعلاج کرایاہے،اس لیے علماء کرام نے علاج کوسنت قراردیاہےاورفرمایا کہ علاج کراناتوکل کے خلاف نہیں ہے، یادرکھنا چاہیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام توکل اور قناعت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے ،وہ اپناعلاج بھی کراتے تھےاور حفظانِ صحت کے اصول کی رعایت بھی کرتے تھے۔کوئی بھی عمل جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہو اور انسانی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتاہو، جائز نہیں ہے۔نشہ آوراشیاء سے اس لیے تو منع فرمایاگیاہے کہ اس سے انسان کی عقل وفہم پرزَدپڑتی ہےاوراس سے بہت سے اخلاقی مفاسدپیداہوتے ہیں۔

اسلام عباداتِ الٰہی میں ایسے غلو کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی صحت برباد کرے۔حضور ﷺ کے زمانے میں بعض حضرات نے یہ معمول بنالیاتھاکہ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اوردن میں روزہ رکھتے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا:"تم پر تمہاری آنکھ کاحق ہےاور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تمہارے جسم کاحق ہے،اس لیے کبھی روزہ رکھواور کبھی نہ رکھو، نماز بھی پڑھ لیاکرواور سونےکااہتمام بھی کرلیاکرو۔"حضور ﷺ کوجب اس کی اطلاع ملی توآپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظرکودرست فرمایا۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہواکہ جب انسان پر جان کی حفاظت ضروری ہے تواس کو ضائع کرنا اوراس کا قتل کرناحرام ہے۔جب دوسرے انسان کو قتل سے سختی سے روکاگیاہے کہ جس نے مومن کوجان بوجھ کرقتل کیااس کاٹھکانا جہنم ہے (القرآن) تواپنے آپ کو قتل کرنا بدرجہ اولیٰ حرام اور جہنم میں لے کر جانے کاسبب بنے گا۔

خودکشی ایک ایساگناہِ کبیرہ اورجرمِ عظیم ہے جو انسان کو دنیاسے بھی محروم کردیتاہے اورآخرت سے بھی!خودقرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بھی خودکشی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:"وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ"(النساء:92)خودکشی نہ کیاکرو!

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نہایت سختی اورتاکید کے ساتھ خودکشی سے منع فرمایاہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے اپنے آپ کوپہاڑسے گراکرخودکشی کرلی،وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح گرتارہے گااور جس شخص نے لوہے کے ہتھیارسے خود کوہلاک کردیا وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اپنے پیٹ میں ہتھیار گھونپتا رہے گا(بخاری)

ایک اورروایت میں ہے کہ گلاگھونٹ کرخودکشی کرنے والا جہنم میں ہمیشہ گلاگھونٹتا رہے گا اوراپنے آپ کو نیزہ مارکرہلاک کرنے والادوزخ میں ہمیشہ اپنے آپ کونیزہ مارتارہےگااور خود کو ہلاک کرتارہےگا(بخاری)

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ انسان نے جس چیز کواستعمال کرکے خود کوہلاک کردیااللہ تعالیٰ اسی چیز کواس کے لیے ہمیشہ عذاب کاذریعہ بنادے گاکہ کبھی بھی اس کاغم اورپریشانی ختم نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت طفیل بن عمرودوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور صاحب نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔وہ دوسرے صاحب بیمار پڑگئے۔تکلیف کی شدت کے باعث ان سے صبر نہیں ہوسکااورایک ہتھیارسے اپنی انگلیوں کے جوڑکاٹ ڈالے،رگیں کٹ گئیں اورخون اتنابہ گیاکہ انتقال کرگئے۔حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نےان کوخواب میں دیکھاکہ وہ بہتر حالت میں ہیں، لیکن ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں۔پوچھنے پر فرمایاکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی وجہ سے مجھے معاف کردیا، لیکن میرے ہاتھوں کے بارے میں فرمایاگیاکہ جس چیز کوتم نے خودبگاڑلیاہے میں اسے درست نہیں کروں گا۔حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب حضور ﷺ سے عرض کیا،آپ ﷺ نے دعافرمائی کہ اے اللہ!ان کے ہاتھوں کو بھی معاف فرمادیں۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایاکہ تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص کوزخم تھا،وہ تکلیف برداشت نہ کرسکا، چھری لی اوراس نے اپناہاتھ کاٹ ڈالا۔خون تھم نہ سکااورموت واقع ہوگئی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"میرے بندے نے اپنی ذات کے معاملے میں مجھ پرسبقت کرنے کی کوشش کی،اس لیے میں نےاس پرجنت حرام کردی"(بخاری ومسلم)

حضور ﷺ کے ان ارشادات سے بآسانی اندازہ لگایاجاسکتاہے کہ خودکشی اسلام میں ایک عظیم اورسنگین جرم ہے۔بظاہر توانسان مسائل ومشکلات سے راہِ فراراختیارکرتاہے، لیکن یہ انسان کی غلط فہمی اورناسمجھی ہے۔درحقیقت اس انسان نے خودکوہمیشہ کے لیے پریشانیوں کے ایک لامتناہی سلسلے میں مبتلاکردیا۔

# باطل جن کے سائے سے لرزاں تھا

ابو عاتکہ توحید

شہیدِ ناموسِ صحابہ واہلِ بیت حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب رحمۃ اللہ ہمارے برصغیر کی اسلامی و عِلمی تاریخ کے اِن گنی چنی ہستیوں میں سے تھے جن کے لیے فلک برسوں پھرتا اور نرگس ہزاروں سال روتی ہے، تب کہیں جاکر خاک کے پردے سے "انسان" نکلتا اور چمن میں "دیدہ وَر" پیدا ہوتا ہے۔

علم و فضل، تقویٰ وطہارت اور حدیث وتاریخ کے وہ بے تاج بادشاہ تھے، دورِ حاضر کے اندھے، گونگے اور بہرے فتنوں کی چلچلاتی دھوپ میں وہ ایسے شجرِ سایہ دار تھے جس کی گھنی چھاؤں کئی عشروں سے علم کے ہر متلاشی اور اتحادِ امت کی تڑپ رکھنے والے ہر داعی کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔

مولانا عادل خان صاحب عالمِ اسلام کی معروف شخصیت سابق صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کے بڑے صاحب زادے تھے۔ 1973ء میں ملک کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ فاروقیہ کراچی سے ہی سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے بحرِ بیکراں کے بھی شناوَر تھے، چناں چہ آپ نے کراچی یونی ورسٹی سے بی اے ہیومن سائنس، 1978ء میں ایم اے عربک اور 1992ء میں اسلامک کلچر میں پی ایچ ڈی کی۔

مولانا عادل خان صاحب 1986ء تا 2010ء جامعہ فاروقیہ کراچی کے سیکرٹری جنرل رہے اور یہ طویل دورانیہ آپ نے اپنے اُس عظیم والد اور مردِ قلندر کی سرپرستی میں گزارا، جن کے تصور سے ہی دل ودماغ پر تقدس کی پرچھائیاں پڑنے لگتی اور باطن کی دنیا میں نور کے جھماکے ہونے لگتے ہیں، آپ کو ان کی طویل عرصے کی صحبتیں میسر آئیں اور یوں شرابِ علم ومعرفت سے لبالب بھرے ہوئے جام پہ جام آپ لنڈھاتے چلے گئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اور سچ پوچھیں تو جامعہ فارقیہ کی تاریخ کا یہی وہ سنہری دور تھا جس میں ادارے کے بہت سے تعمیری اور تعلیمی منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچے۔

پھر کچھ عرصہ امریکا میں مقیم رہے اور وہاں ایک بڑا اسلامی سینٹر قائم کیا، نیز کوالالمپور (ملائشیا) کی مشہور یونی ورسٹی میں آپ نے 2010ء سے 2018ء تک کلیہ معارف الوحی اور انسانی علوم میں بطورِ پروفیسر خدمات انجام دیں۔ آپ کو 2018ء میں ریسرچ وتصنیف و تحقیق میں ملائشیا ہائر ایجوکیشن کی جانب سے ایوارڈ سے نوازا گیا اور یہ ایوارڈ آپ کو ملائشیا کے صدر کے ہاتھوں دیا گیا۔ آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی کمیٹی کے سینئر رکن اور وفاق کی مالیات، نصابی اور دستوری کمیٹی جیسی اہم کمیٹیوں کے چیئرمین تھے۔

مولانا عادل خان صاحب کو اردو، انگلش اور عربی سمیت دیگر کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ بہترین معلم، بے باک خطیب اور قابلِ رشک منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کے علوم، تعارفِ اسلام، عالمِ اسلام کو درپیش مسائل کے حل، اسلامی معاشیات، اخلاقیات، مقاصدِ شریعت، تاریخِ اسلام اور تاریخِ پاکستان جیسے موضوعات سے دل چسپی رکھتے تھے۔

2017ء میں والدِ محترم مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کے انتقال کے موقع پر پاکستان واپس آئے اور نہ صرف جامعہ فارقیہ کی دونوں درس گاہوں کی آبیاری کرنے لگے بلکہ آپ نے ملک بھر کی جمود چھائی ہوئی فضاؤں میں اپنی انقلابی طبیعت اور متحرک شخصیت کے ذریعے ایسا ارتعاش پیدا کر دیا کہ برسوں پرانا جمود ٹوٹا اور ملک بھر کی اسلامی تحریکیں نئے سرے سے جواں ہوکر متحرک نظر آنے لگیں۔

مولانا شہیدؒ نے تقریباً 63 سال کی عمر پائی، انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ علم و عمل سے ہٹ کر نہیں گزارا۔ علم ان کے روئیں روئیں سے پھوٹتا تھا اور حکمت نے ان کے دل ودماغ کا احاطہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے کئی موضوعات پر مقالات لکھے، ہر عنوان پر گفتگو کی، مخالفِ اسلام ہر فرقے کو زیر کیا۔ ان کی علمی جولانیوں کا میدان تفسیر بھی رہا ہے اور حدیث بھی، وہ تصوف واحسان کی باریکیوں سے بھی آشنا تھے اور تاریخ کے گھنے جنگل کے نشیب وفراز سے بھی آگاہ تھے۔ وہ ایک زیرک اور معاملہ فہم شخصیت کے مالک تھے، جبکہ دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کا طرہ امتیاز تھا!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت قبول فرمائیں، ان کے بعد ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور ان کی طرح قابلِ رشک خاتمہ نصیب فرمائیں کہ وہ دفاعِ صحابہ کے لیے سرگرداں اور وحدتِ امت کے لیے رات دن کوشاں تھے کہ ظالموں نے ان کی زندگی کا چراغ بجھادیا اور وہ اپنے ہی خون میں نہا کر رب کے حضور پہنچے، ہاں سعادت کی زندگی، واہ شہادت کی موت۔۔۔ بخشش کی ساعتیں۔۔۔ زہے مقدر۔۔۔ زہے نصیب! اللہ تعالیٰ ان کی قبر کا پڑاؤ شاداب اور آخرت کی منزل آسان فرمائے!

جن کے سائے سے لرزتا تھا ہر اک باطل وجود کاروانِ حق کا میرِ کارواں خاموش ہے

## خودکشی کرنے والی کی نمازِ جنازہ کا حکم

بلاشبہ خودکشی گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم ہے، مگر شریعت نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کے بغیر تدفین ہرگز نہ کریں، کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی نمازِ جنازہ تم پر لازم ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو، تاہم مذہبی مقتداء اور دین کے خواص اور اہم دینی شخصیات بطورِ عبرت اور بطورِ زجر اس میں شرکت نہ کریں ،تاکہ لوگ اس طرح کے عمل سے آئندہ احتیاط کریں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خودکشی کا اقدام ناجائز اور حرام ہے، چوں کہ بعض سادہ فہم اور دین سے بے خبر لوگ اس سے ناواقف ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ خودکشی کے اخلاقی، سماجی، اخروی اور دنیوی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کیے جائیں۔ معاشرے میں خاص کر نوجوان نسل کی اس حوالے سے ذہن سازی کا خاص اہتمام کیا جائے۔ عوام میں دینی شعور پیدا کیا جائے کہ وہ تنگ دستوں اور مقروضوں کے ساتھ نرمی اور تعاون کا سلوک کریں۔ گھر اور خاندان میں پیار ومحبت کی فضا قائم کی جائے۔ رسم ورواج کی جن زنجیروں نے سماج کو جکڑ رکھا ہے، ان کی اصلاح کی جائے۔ شادی بیاہ کے معاملات کو آسان بنایا جائے اور جو لوگ ذہنی تناؤ اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، اُن میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا جذبہ، صرف اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے کا شعور، قناعت اور صبر وشکر والی زندگی جینے کی ہمت اور مسائل ومشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کیا جائے۔

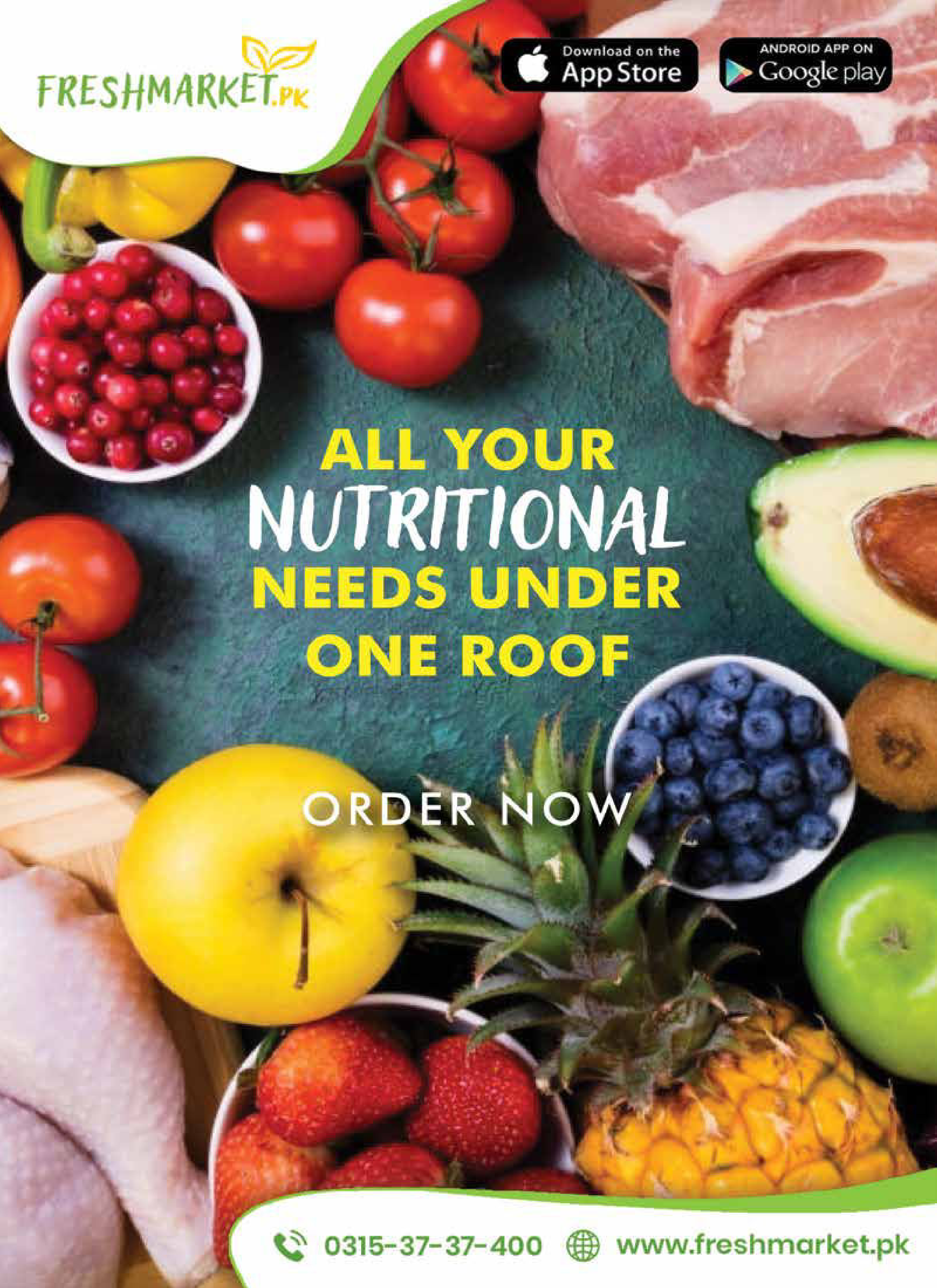

FRESHMARKET.PK
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play
ALL YOUR
NUTRITIONAL
NEEDS UNDER
ONE ROOF
ORDER NOW
0315-37-37-400
www.freshmarket.pk

# ہم سفر کا خواب

حجاب فیض

نور کب سے بیٹھی اپنی چھوٹی بہن عائشہ کو دیکھ رہی تھی۔ عائشہ آنکھیں بند کیے جانے خدا سے کیا مانگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کا نور چھایا تھا، جن کا پور پور خدا کی محبت میں ڈوبا ہو، ان کے چہرے ایسے ہی روشن ہوا کرتے ہیں۔ ”خدایا میری بہن کو ہمیشہ سلامت رکھنا۔“ نور نے دل سے دعا کی، وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ عائشہ نے دعا مکمل کرکے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور نور کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”تووو۔۔۔ کیا مانگا جا رہا تھا اتنے خشوع و خضوع سے؟“ اس نے تو کو لمبا کھینچ کر پوچھا۔

”میں تو سب کچھ اللہ سے ایسے ہی مانگتی ہوں آپی“۔ بڑا معصومانہ جواب آیا۔

”مگر آج تم نے کچھ خاص مانگا ہے، مجھے نہیں بتاؤ گی؟“ نور نے ہاتھ پکڑ کر اس کو پاس بٹھا لیا۔

حیا کے رنگوں نے عائشہ کے چہرے کا احاطہ کر لیا، وہ شرمائی تو نور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گھرکا۔ ”آپی! میں نے آج اپنے ہم سفر کی خصوصیات مانگی ہیں رب جی سے۔“ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عکس جھلملایا، وہ کوئی اور نہیں اس کا ہونے والا مجازی خدا قاسم تھا۔

”اچھا جی! مثلاً کیا خصوصیات مانگی ہیں محترمہ نے۔۔۔ ہمیں بھی تو پتا چلے۔“ نور بات بڑھا رہی تھی، وہ عائشہ کے بھولپن سے محظوظ ہو رہی تھی۔ جب کہ عائشہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

”لگتا ہے آج آپی آسانی سے نہیں چھوڑیں گی، کچھ نہ کچھ تو بتانا پڑے گا۔“

”ہممم۔۔۔ بتاؤ نا تمہیں کیسا ہم سفر چاہیے؟“ نور نے ہنکارہ بھر کر شرارتی انداز میں پوچھا۔

”آپی میں۔۔۔ میں حقیقت کی متلاشی ہوں، پھر بھی میرے کچھ خواب ہیں۔“ وہ بمشکل بولی۔

”مثلاً کیا؟“ نور نے اس کو اُکسایا۔

”مجھے کوئی افسانوی دنیا کا ہیرو نہیں بلکہ اسلام کا شہزادہ چاہیے، جو حافظِ قرآن ہو، جس کا سینہ علم کے نور سے بھرپور ہو، جس کی شخصیت سے سنتِ نبوی کی جھلک نظر آئے اور جو دین کے معاملے میں کوئی رعایت نہ برتے۔“ وہ ایک جذب کے عالم میں کہتی ہوئی رکی۔ نور جو گالوں پر ہاتھ رکھے دل چسپی سے سن رہی تھی، اس کے رکنے پر فوراً بولی۔ ”بولتی رہو رکو مت۔“

عائشہ نے محبت اور بے چارگی کے ملے جلے تاثرات لیے بہن کو دیکھا۔ ”وہ جو بہت ہی سادگی سے مجھے اپنی زندگی میں شامل کرے، بالکل ویسے ہی جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شریکِ حیات بنایا تھا۔۔۔ اور مجھے پانے کے بعد سب سے پہلے وہ میرا ہاتھ تھام کر خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو کے شکرانے کے نوافل ادا کرے۔۔۔ رب جی کے حضور اپنی نئی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے وہ مجھ سے عہدِ وفا لے، مجھے منہ دکھائی میں سب سے انمول تحفہ دے جو آج تک کسی نے کسی کو نہ دیا ہو۔“

”اور وہ انمول تحفہ کیا ہو گا میڈم۔“ نور جو دم سادھے سن رہی تھی شوخی سے بولی۔ ”قرآن پاک“ عائشہ نے کہا تو ایک دل کش مسکراہٹ نور کے لبوں کو چھو گئی۔ ”اور یہ تحفہ دیتے ہوئے وہ مجھے قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرے، جسے میری دنیاوی زندگی کی نہیں بلکہ اخروی زندگی کی فکر ہو، جو میرے ماتھے پر بوسہ دے کر نماز کے لیے اٹھائے، نماز نہ پڑھنے پر مجھے سرزنش کرے اور ہنی مون کے لیے بیت اللہ لے جائے۔“ وہ چپ ہو گئی۔ ”پھر؟“ نور جو انہماک سے سن رہی تھی اس کی باتوں پر نور کے دل پر ہلکی ہلکی سی ضرب پڑ رہی تھی۔ عائشہ نے سلسلۂ کلام جوڑا: ”پھر بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر وہ مجھے سورۂ رحمٰن سنائے اور میں نم ناک آنکھیں لیے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں۔“

”تم۔۔۔ تم ایسا جیون ساتھی چاہتی ہو؟ کیا واقعی!!“ نور کے لہجے میں لرزش نمایاں تھی۔

”ہاں! میں ایسا ہی ہم سفر چاہتی ہوں، جو مجھے گھر کی چار دیواری میں اپنی ملکہ بنا کر رکھے۔۔۔ جو کسی گہرے دوست اور ہم راز کی طرح اپنے دل کا حال میرے سامنے کھول کر رکھ دے۔۔۔ اور میں۔۔۔ میں اس کی تنگی اور مشکلات میں اس کا سایہ بن کر اس کے ساتھ رہوں، اس کی راہوں کے کانٹے اپنی پلکوں سے چن لوں۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ آنکھ اٹھا کر کسی غیر عورت کو نہ دیکھے، نہ مجھ پہ ہی کسی غیر مرد کا سایہ پڑنے دے۔۔۔۔“ غیر کا لفظ نور کے دل پر کچوکے لگا گیا۔ ”کسی غیر کی جگہ ہی کب ہوتی ہے محبت میں۔“ نور نے دل میں سوچا۔ عائشہ اپنے خیالوں میں تھی، وہ اس کی پل پل بدلتی کیفیت سے بے خبر بولے جا رہی تھی۔ ”وہ ایسا ہو، جو میری ان کہی باتوں، میری چپ کو سنے، سمجھے اور محسوس کرے، مجھے بات بات پر صفائی نہ دینی پڑے۔۔ جو مجھ پر مکمل بھروسا کرے، اگر اسے باہر سے کچھ پتا چلے تو جاہل مردوں کی طرح خود سے قیاس آرائیاں نہ کرے، بلکہ مجھ سے آ کر پوچھے کہ سچ کیا ہے۔۔۔! جو مجھے محبت کے ساتھ ساتھ مکمل مان، عزت اور بھروسا دے۔۔۔ کیوں کہ میں محبت کے بنا تو اس کے ساتھ جی لوں گی مگر عزت۔۔۔ عزت ہی ایک عورت کے لیے سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے، اور مجھے اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے اس سے۔“ نور کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہونے لگے، اس نے فوراً اپنی غیر ہوتی حالت پہ قابو پا کر پوچھا: ”اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے، اگر تم کچھ ایسا کر بیٹھو جس کو نظر انداز کرنا آسان نہ ہو تو!!“

”میں بھی انسان ہوں اور انسان خطا کا پتلا ہے، غلطیوں سے بھرا ہوا۔۔۔ مجھ سے جب کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ سب کے سامنے میری پردہ پوشی کرے اور تنہائی میں مجھے سمجھائے۔۔۔ اور اگر مجھ سے ایسی غلطی سرزد ہو جائے جسے نظر انداز کرنا آسان نہ ہو، پھر بھی وہ اتنا ظرف رکھتا ہو، میری بھول چوک کو نظر انداز کرکے ہمیشہ اچھائی کو اپنانے کی تاکید کرے۔۔۔۔“

”اگر کبھی تم غصہ کرو تو وہ جذباتی نہ ہو، جواباً تم پر غصہ نہ کرے بلکہ تمہارے غصے میں چھپی فکر کو محسوس کرے، اگر کبھی تم ناراض ہو کر اس سے بات کرنا چھوڑ دو تو وہ تمہارے مان

حیا--- میری حیادار دوست کیلی گرافی کرتی ہے، وہ--- ایک روز اس کے گھر گئی تو وہ الف لکھ رہی تھی۔ میں نے حیرت اسے دیکھا اور کہا: ''تم الف لکھ رہی ہو۔ یا یوں کہوں کہ پھر سے الف لکھ رہی ہو۔ میں قریب چھ مہینے بعد آئی ہوں اور تم ہو کہ ابھی تک الف سے آگے نہیں بڑھی۔ جلدی کرو الف سے ب پر تو آؤ۔'' حیا یہ دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مسکرا دی اور اپنے کام میں لگ گئی۔ میں نے اس سے اس کی ہر بار اس طرح مسکرانے کی وجہ پوچھی، میرے بار بار اصرار کرنے پر اس نے الف سے آگے نہ بڑھنے کی وجہ بتائی۔ کہنے لگی:

''تمہیں نہیں معلوم یہ حروفِ تہجی کا پہلا حرف ہے۔ ہمیں اردو ہو یا عربی سب سے پہلے الف ہی سکھایا جاتا ہے۔ اگر ہمیں الف نہیں آئے گا تو ہم آگے کیسے بڑھیں گے؟ تم سمجھتی ہو کہ یہ کوئی عام سا لفظ ہے جو میں مہینوں یا سالوں سے لکھ رہی ہوں؟ نہیں! یہ الف ہے۔ الف!''

اس نے الف پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں ایک الگ ساجذبہ تھا، جو شاید میں کبھی سمجھ نہیں پائی۔ وہ چند سیکنڈ رکنے کے بعد پھر کہنے لگی: ''دیکھو! الف کوئی عام لفظ نہیں ہے۔ ہم اسے پڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے! الف ایک لفظ نہیں ایک کیفیت کا نام ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک ہم اقرا کے الف کو نہیں سمجھیں گے، ہم اللہ کے الف تک کیسے جائیں گے؟ اور کیا تمہیں لگتا ہے میں واقع الف کو صرف لکھتی ہوں؟ نہیں بھئی! میں اس الف میں ڈھونڈتی ہوں۔ اقرا کو، احد کو، الرحمٰن کو الرحیم کو۔ میں ہر بار ایک نئی کیفیت سے الف کو پڑھتی ہوں اور لکھتی ہوں۔ لوگ الف کو لکھا دیکھ کر داد تو دیتے ہیں پر اس کی اہمیت نہیں سمجھتے ،اس کی قدر نہیں کرتے، اس کو محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ الف صرف ایک حرف یا لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ ہمیں سکھایا جانے والا پہلا سبق ہے۔ یہ ہماری بنیاد ہے۔ یہ انسان کی بنیاد ہے۔ انسان اپنے الف کے بغیر ادھورا ہے۔ ایک امتی اپنے الف کے بغیر کھوکھلا ہے۔ الف بنیاد ہے جو انسان کو اقرا کے راستے اللہ تک لے کے جاتا ہے۔ میں الف پر اٹکی ہوئی ہوں۔ میں اکثر اپنے الف کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگتی ہوں۔ میں الف تو لکھ رہی ہوں، لیکن میں آگے نہیں بڑھ رہی۔ میں اب بھی الف کی تلاش میں ہوں۔ جس دن میری تلاش اور چاہت انتہا کو جائے گی، اتنی انتہا کو کہ میں اللہ کو پا لوں اس دن میں الف سے آگے بڑھ جاؤں گی۔ اس دن میں الف سے اللہ لکھوں گی۔''

میں حیا کی باتیں سن کر ٹھہر گئی۔ یوں لگا جیسے میں نے سب پا کر بھی کچھ نہیں پایا، الف سے آگے بڑھنا تو دور--- میں تو ابھی تک الف بھی پڑھ نہیں سکی اور وہ الف پر اٹکی لڑکی وہ کچھ بلکہ بہت کچھ پا گئی ہے۔

کو سمجھے--- تمہارے بات نہ کرنے پہ ''جیسی تمہاری مرضی'' کہہ کر تمہاری دل آزاری نہ کرے--- جو تمہیں کسی غیر تو کیا اپنے سامنے بھی جھکنے نہ دے، دوسروں کے سامنے تمہیں اتنی اہمیت دے کہ سب دنگ رہ جائیں، جو تمہارے سنگ زندگی کی راہوں پر چل کر زندگی کو گل و گلزار بنا دے--- یہی نا! یہی مانگا ہے نا تم نے رب سے؟'' نور کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا، جب کہ عائشہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے ہی خیالوں میں تھی۔

''جی اپیا۔''

''ضروری نہیں، انسان جو کچھ مانگے، جو سوچے اسے سب کچھ اس کی سوچ کے مطابق ملے۔ اس لیے ایسا مت سوچا کرو کیوں کہ اگر تمہیں سب کچھ ویسا نہ ملا تو تم ٹوٹ جاؤ گی۔'' نور کی آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی ہلکی نمی سی تیرنے لگی تھی۔ نور کی اس بات پر عائشہ نے تڑپ کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں شکوے مچل رہے تھے مگر وہ نرمی سے بولی: ''آپی! میں خدا کی رحمتوں سے نا امید نہیں ہوتی، کیا آپ نے وہ حدیث نہیں سنی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ فرماتا ہے، میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، اگر وہ میرے بارے اچھا گمان کرتا ہے تو میرا معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہے اور اگر وہ میرے ساتھ برا گمان رکھتا ہے تو میرا معاملہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہے۔'' عائشہ نے پل بھر رک کر ایک ٹھنڈا اور لمبا سانس خارج کیا، پھر بولی: ''آپی! اللہ تعالی سے حسنِ ظن واجب ہے اور سوئے ظن (برا گمان) حرام ہے۔ قرآن پاک میں بہت جگہوں پر باری تعالی کے ساتھ سوئے ظن کو کافروں اور منافقوں کا عمل بتایا گیا ہے اور اس پر انہیں خوف ناک اور رسوا کن عذاب کی دھمکی دی گئی ہے--- جیسا کہ ارشاد باری ہے! یہ گمان تو کافروں کا ہے، سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی۔''

کچھ دیر دونوں خاموش اپنی اپنی سوچوں میں گم رہیں، پھر عائشہ نے اس خاموشی کو توڑا۔ ''میں چوں کہ حقیقت کی متلاشی ہوں، اس لیے یقین سے تو نہیں کہہ سکتی کہ ''قاسم'' ایسے ہی ہوں گے، لیکن آپی! ہاشم بھائی تو ایسے ہی ہیں نا--- بالکل ایسے آپ کو عزت اور مان دینے والے آپ کے وقار کو اپنا وقار سمجھنے والے۔'' عائشہ نے یہ کہہ کر کن اکھیوں سے نور کو دیکھا، وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں تھی۔

''آپی! آپ ہاشم بھائی کے ساتھ ناراضی ختم کر دیں، یہ تو نا قدری ہوئی نا--- وہ اسلام کے شہزادے ہیں، آپ کو ان کی محفوظ پناہ گاہوں میں رہنا چاہیے نہ کے ماما بابا کے گھر۔'' نور نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے عائشہ کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگا ہوا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔ وہ اب خدا کے حضور جھکنا چاہتی تھی جس کو اپنی انا اور ہٹ دھرمی کی بدولت وہ بالکل فراموش کر چکی تھی۔ اسے اپنے حقیقی خدا کو منا کر اپنے مجازی خدا کو بھی منانا تھا۔ اسے یقین تھا وہ رب کے حضور سے بھری جھولی لے کر اٹھے گی اور اپنی چھوٹی بہن کی طرح ہمیشہ اللہ سے حسنِ ظن کی امید رکھوں گی۔ جانے میں کیسے اپنے رب سے نا امید ہو گئی تھی۔ جب کہ وہ تو واحد ذات ہے عطا کرنے والی۔ آنسو موتیوں کی طرح اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ نور نے ندامت سے آنکھیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں رب کی رحمت جوش میں تھی۔ وہ ساری سوچوں کو جھٹکتے ہوئی وضو کرنے چل پڑی۔

# بائیکاٹ

روبینہ عبدالقدیر

لکڑی کی میز پر لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جمی نگاہوں میں دکھ اور کرب کے ساتھ گہری اذیت نظر آ رہی تھی۔ ٹپ ٹپ آنسو آنکھوں سے گود میں گر رہے تھے، ہاتھ میں پکڑا بسکٹ کا پیکٹ کب کا زمین بوس ہو گیا تھا۔ اسے اسکرین میں چلتے مناظر کے علاوہ شاید کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کیا ہوا مرحا! کب سے ایسے بیٹھی کیا دیکھ رہی ہو؟" کسی نے پیچھے سے اس کا کندھا ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ بڑبڑائی۔

"اور یہ بسکٹ نیچے کیوں گرا دیے، ویسے تو بہت رزق کی بے حرمتی کے درس دیتی ہو۔" طنزیہ کہتے ہوئے اس نے نیچے سے بسکٹ کا پیکٹ اٹھایا، جس میں موجود بسکٹ گرنے کی وجہ سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

"پھینکو اسے۔" مرحا نے اس کے ہاتھ سے بسکٹ کا پیکٹ چھینتے ہوئے دور پھینکا۔

"ارے۔۔۔ آخر ہوا کیا ہے بتاؤ مجھے؟" فرح نے حیرانی سے اپنی چھوٹی بہن کے چہرے کی طرف دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔

"یہ دیکھو فرح!" بے دردی سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد فرح کی بھی وہی حالت تھی۔ وہ دونوں اس وقت کمپیوٹر لیب میں موجود تھیں، جہاں ان کے علاوہ بھی بہت سی لڑکیاں موجود تھیں۔ کچھ دیر بعد ان کے ارد گرد لڑکیوں کا ایک جمِ غفیر تھا اور سب کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے!

◆◆◆

فرح اور مرحا دونوں بہنیں تھیں۔ ان کے ابو کاشف صاحب کا سوپر اسٹور تھا۔ کاشف صاحب دنیادار شخص تھے، دین کے ساتھ ان کی وابستگی بس نماز روزے تک تھی۔ البتہ مرحا اور فرح کو انھوں نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی تھی، یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کا رجحان دین کی جانب زیادہ مائل تھا۔ کالج سے واپسی کے لیے ابو نے انھیں گھر کی گاڑی لگوا کر دی تھی۔ اس وقت بھی اپنی گاڑی میں بیٹھی وہ دونوں محوِ سفر تھیں۔

"رک جائیں انکل!" وین والے ڈرائیور کا ارادہ بھانپتے ہی مرحا نے چلّا کر کہا۔

"بیٹا! آپ نے کچھ منگوانا ہے باہر سے؟" انکل نے ٹوپی سر پر جماتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔

"نہیں! آپ اس پٹرول پمپ سے پٹرول نہیں ڈلوائیں گے۔" فرح نے بھی حتمی لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں بیٹا، گاڑی میں پٹرول ختم ہونے والا ہے، ڈلوانا ضروری ہے۔" انکل نے وجہ بتائی۔

"جی ضرور، مگر اس پٹرول پمپ سے نہیں اگلے سے ڈلوا لیجیے گا۔" مرحا نے پٹرول پمپ کے بورڈ پر نظر دوڑائی جہاں واضح "Total" لکھا نظر آ رہا تھا۔

"انکل یہ فرانسیسی مصنوعات میں شامل ہے، آج سے ہم بائیکاٹ مہم شروع کر رہے ہیں۔" فرح نے انکل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

انکل خاموشی سے دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اگلے پٹرول پمپ پہنچنے تک فرح اور مرحا انھیں فرانسیسی حکومت کی جانب سے گستاخانہ خاکوں کی نمائش کے بارے میں تفصیل سے بتا چکی تھیں۔ غیرتِ ایمانی سے اب ان کے ساتھ انکل کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

◆◆◆

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم دونوں بہنوں نے؟" کچن میں داخل ہوتے ہی امّی چلّا اٹھی تھیں۔

"میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والوں کی کوئی چیز اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔" کیبنیٹ سے فرانسیسی مصنوعات کی کھانے پینے کی مصنوعات کا صفایا کرتی مرحا دوٹوک بولی تھی۔

"اللہ انھیں غرق کرے گا، خود ان سے بدلہ لے گا۔ تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو؟" امّی نے دونوں ہاتھ سے سر تھام لیا۔

پورے گھر کے واش روم اور وارڈروب سے فرانسیسی مصنوعات کے صابن، شیمپو کریم نکالتی فرح اور کھانے پینے کی چیزیں نکالتی مرحا کے لبوں پر ہر سوال کا ایک ہی جواب تھا، "بائیکاٹ۔"

◆◆◆

"آپ ہی سمجھائیں ان دونوں کو، آج کالج سے آتے ساتھ ہی پورے گھر کا صفایا کر دیا ہے، اچھا خاصا سامان ضایع کر دیا ہے۔ پتا نہیں کون سے بائیکاٹ کرنے چلی ہیں، ان دونوں کے بائیکاٹ سے گویا یہ سلسلہ رک جائے گا۔" رات کھانے کی میز پر امی نے ان دونوں کی شکایت اپنے مجازی خدا سے کی۔

"بائیکاٹ مگر کس چیز کا؟" کاشف صاحب حیرت سے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے بولے۔

"ابو! آج فرانس کی طرف سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت اور نمائش کی گئی ہے، ان لوگوں نے انتہائی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان خاکوں کا سلسلہ نہ روکنے کا بھی اعلان کیا ہے۔" مرحا نے آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے انھیں بتایا۔

"مگر بیٹا یہ آپ کا بائیکاٹ؟" وہ اچھنبے سے بولے۔

"جب وہ لوگ اس طرح سرِ عام گستاخی کر کے ہمارے دین اور ایمان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں اور ان کا معاشی نقصان کریں۔" فرح نے بھی مرحا کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اس عمل کی نیت خالص ہے، ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر یہ قربانی دیں گے، جنھوں نے ہمارے لیے پتھر کھائے تھے، دشمنیاں سہی تھیں، ہجرت کی تھی، جہاد کیا تھا۔ ہمیں تو پھر گھر بیٹھے بس بائیکاٹ کرنا ہے۔" مرحا نے اداسی سے کہا۔

"ان شاء اللہ، قیامت کے دن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر سے بتا سکیں گے کہ ہم نے خاموشی کے بجائے کوشش ضرور کی تھی۔" فرح نے مرحا کا ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے جوش سے کہا۔ ان دونوں کی بحث طویل ہو رہی تھی۔

"بیٹا! آپ نے ان کی مصنوعات ضایع کر دیں، رزق ضایع کرنا بھی تو گناہ ہے۔" کاشف صاحب نے عقلی دلیل دی۔

"ابو! ہم نے کچھ بھی ضایع نہیں کیا، کھانے کی تمام اشیا چھت پر پرندوں کو ڈال دی ہیں اور صابن، شیمپو وغیرہ ڈسٹ بن میں۔" فرح نے اطمینان سے بتایا۔

ان دونوں کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا، ہار مانتے ہوئے کاشف صاحب خاموشی سے کھانا کھانے لگے ان کی پیشانی پر گہری لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

"بس دو دونوں کی بات ہے، دونوں کا بائیکاٹ کا بھوت اتر جائے گا۔" امّی نے طنزیہ کہتے

# بیٹیاں

ام محمد جواد

سدرہ کچن میں تھی، تب ہی بائیک کی آواز آئی اور ساتھ ہی رداا ور ندا کا نعرہ گونجا: ”بابا جانی آگئے۔“ دونوں نے تیزی سے گھر کے دروازے کی طرف دوڑ لگائی اور ابو کو سلام کرکے ان کے ہاتھ سے سامان لینے لگیں۔ ”لائیے بابا! ہم اندر لے جائیں۔“ تھکا ہارا اسد حسبِ معمول ان ننّھی پریوں کو دیکھتے ہی اپنی ساری تھکن بھول کر مسکرا کر کہنے لگا:

”ارے میری گڑیو! یہ بھاری ہے، آپ دونوں سے نہیں اٹھے گا۔“ اسد اندر کی طرف بڑھا، ”پر بابا! آپ تھک گئے ہوں گے۔“ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے ہی چلیں۔

”السلام علیکم بابا! لائیے، یہ مجھے دیجیے اور آپ تشریف رکھیے! امی آپ کے لیے پانی لاتی ہی ہوں گی۔“ سامنے ہی حیا کھڑی تھی، اسد اور سدرہ کی سب سے بڑی بیٹی۔ اسی وقت سدرہ باورچی خانے سے پانی کا گلاس لیے مسکراتی ہوئی نمودار ہوئی اور شوہر کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پانی پیش کیا۔ اس دوران میں حیا سامان رکھنے چلی گئی تھی۔

”آپ فریش ہو جایئے! سعد بھی کوچنگ سے آتا ہوگا، کھانا بھی تیار ہے۔“ سدرہ نے پانی کا خالی گلاس لیتے ہوئے کہا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی حسبِ معمول سعد اور حیا تو اپنے مطالعے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جب کہ ردا اور ندا وہیں بیٹھ کر اسد سے باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد سدرہ نے سرزنش کی: ”بس بیٹا! بابا تھک گئے ہیں، اب انہیں آرام کرنے دیجیے۔“

”نہیں سدرہ! انھیں تھوڑی دیر بیٹھنے دو۔“ پھر کچھ دیر بعد جب یہ دونوں بھی سونے چلی گئیں تو اسد سدرہ سے کہنے لگا: ”سدرہ! پتا ہے، بیٹیاں مجھے بہت پیاری لگتی ہیں اور یہ تو میرے نبی پاک ﷺ کی سنت بھی ہے نا! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو کتنی پیاری تھیں۔ لوگ نہ جانے کیسے اپنی بیٹیوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کے حقوق غصب کرتے ہیں اور بیٹیوں کا ظرف دیکھو کہ وہ پھر بھی ان اپنوں کے لیے کبھی بددعا نہیں کرتیں۔۔۔ ہمارے حبیب پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق گویا یہ تو ہمارے لیے جنت کا ذریعہ ہیں!“ سدرہ کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں، اس کی تو جان تھی ان شہزادیوں میں۔ کچھ توقف کے بعد اسد پھر کہنے لگا: ”میں جانتا ہوں تم ماں کی حیثیت سے ہر بات انھیں سکھاتی سمجھاتی رہتی ہو، لیکن بھئی! میرا ابھی جی چاہتا ہے کہ یہ کچھ وقت میرے پاس بھی رہا کریں، ابھی یہ ننّھی پریاں ہیں، جب کچھ بڑی ہوں گی تو ان کے پڑھنے اور کام کی مصروفیات ہی اتنی ہوں گی کہ میرے پاس بیٹھنے کا کم ہی وقت ملے گا انھیں اور پھر ایسے ہی ایک دن یہ ہمیں چھوڑ جائیں گی۔ میری اپنے مالک سے یہی دعا رہتی ہے کہ میری بچیوں کے نصیب بہت اچھے ہوں۔ کتنی نازک ہوتی ہیں یہ بیٹیاں! اور کتنی ہی حساس بھی، ماں باپ کی ذرا سی تکلیف کو بھی فوراً بھانپ لیتی ہیں اور فوراً مداوا کرنا چاہتی ہیں، جانے کس دیس جا کے بسنا ہے انھیں، بیٹیاں شاید اس لیے بھی ماں باپ کے دل سے قریب ہوتی ہیں کہ انھیں چھوڑ کر دوسرا جہان آباد کرنا ہوتا ہے اور یہ کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں اور کسی اُف کے بغیر یہ کتنا ڈھیروں بار اٹھا لیتی ہیں، انھیں یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ ماں باپ کی تربیت پہ کوئی حرف نہ آئے۔ بہت پیاری ہوتی ہیں نا! یہ بیٹیاں بہت پیاری“۔۔۔

---

ہوئے گویا خود کو تسلّی دی تھی۔ فرح اور مرحا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

◆◆◆

گھر سے شروع کرنے کے بعد ان دونوں نے کالج میں بھی بائیکاٹ مہم چلائی اور پورے کالج میں پمفلٹ تقسیم کیے۔ بریک ٹائم لنچ میں چپس، بسکٹ خریدنے کی بجائے سموسے، چاٹ وغیرہ لینا شروع کردی۔ کولڈ ڈرنکس کی بجائے گھر سے فریش جوس بنا کر لانا شروع کر دیے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسری لڑکیوں نے بھی اپنے کھانے پینے سے لے کر گھریلو استعمال کی چیزوں میں سے بھی فرانسیسی مصنوعات کا بائیکاٹ شروع کر دیا۔ اس بائیکاٹ میں ایک کے بعد ایک گھر شامل ہوتا گیا اور ایک بڑی تعداد نے فرانسیسی مصنوعات کو نقصان پہنچانے کا پکّا عزم کرلیا۔

◆◆◆

”صاحب! یہ کون سا مال آرڈر کیا ہے؟“ چھوٹو نے گاڑی سے اترتے مال کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا تھا۔ ”پاکستانی مصنوعات۔“ کاشف صاحب نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

مرحا اور فرح کا سخت بائیکاٹ دیکھ کر انھوں نے بھی اپنے سوپر اسٹور سے بائیکاٹ کا آغاز کیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ ان کے ایک قدم بڑھانے سے کچھ ہو نہ ہو کل روزِ محشر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ کبھی نہ ہوں گے!

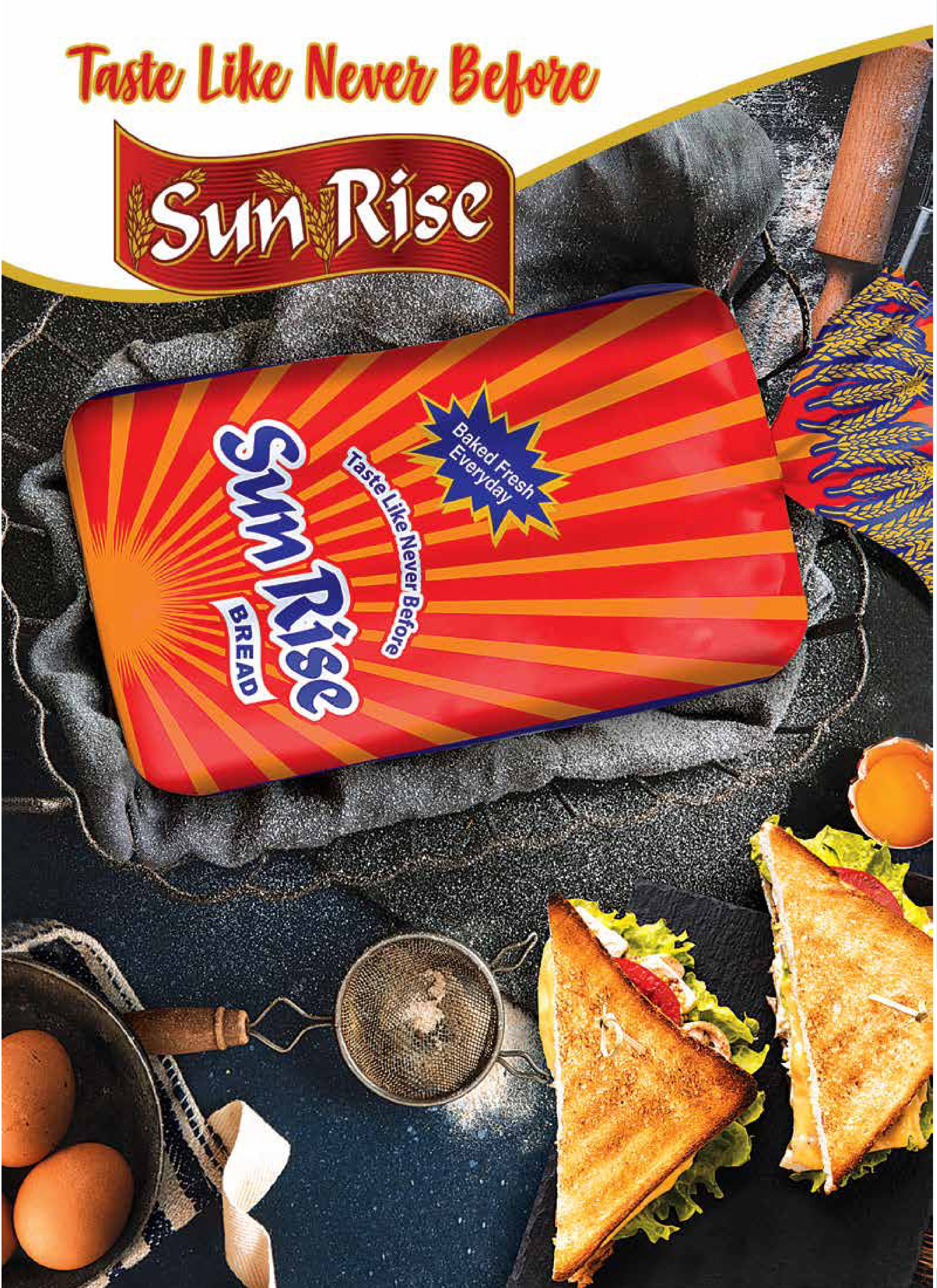
Taste Like Never Before
SunRise
SunRise
BREAD
Taste Like Never Before
Baked Fresh Everyday

آخری قسط

# بدبو

• قرۃ العین خرم ہاشمی

”مگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میری مرضی کے مطابق کام کروگے !“ موہنی کے کہنے پر فرحان نے وعدہ کرلیا تھا۔ موہنی اور فرحان کی شادی روایتی دھوم دھام سے ہوئی۔ موہنی کو پاکر فرحان بہت خوش تھا۔ موہنی بھی اتنی محبت اور پذیرائی پر پھولے نہیں سماتی تھی۔ شروع کے دن پر لگا کر اڑنے لگے۔ ان کی شادی کو تین مہینے گزر گئے تھے، جب بے روزگاری سے تنگ آکر فرحان نے اپنے باپ کے کہنے پر دکان پر جانا شروع کردیا۔

”فرحان بیٹا! پڑھنے لکھنے کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کسی کام کو چھوٹا یا بُرا سمجھو! بیٹا جو شخص عزت اور محنت کے ساتھ رزقِ حلال کماتا ہے، وہ آج کے پرآشوب دور کا صوفی ہے!“

فرحان نے باپ کی بات کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے بڑے بھائی کے ساتھ مرغیوں کا گوشت بیچنے کا کام شروع کردیا۔ پہلے پہل اسے کام سمجھنے اور کرنے میں دقت ہوئی مگر آہستہ آہستہ وہ اس کام میں مہارت حاصل کرنے لگا۔ وہ خوش تھا کہ اپنی بیوی کو محنت کی کمائی لاکر دے رہا ہے، مگر اس کی بیوی اس بات پر خوش رہنے والوں میں سے نہیں تھی۔ فرحان ہر روز رات کو واپسی پر موہنی کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ضرور لاتا تھا۔ سرخ اور سفید پھولوں کے گجرے تو تقریباً ہر روز ہی!

” اف فرحان ! پیچھے کریں اپنے ہاتھ ! کتنی بو آرہی ہے آپ سے !“ موہنی ہر روز بے دردی سے فرحان کے دھلے دھلائے صاف ہاتھوں کو جھٹک کر پیچھے کردیتی۔ فرحان شرمندہ ہوکر شدید ٹھنڈ میں بھی آدھی رات کو نہانے چلا جاتا۔ اچھی طرح نہا کر، خوشبوؤں میں بسا جب وہ محبت سے موہنی کے پاس آتا تو موہنی ناک پر ہاتھ رکھ کر منہ پھیر لیتی۔

”یہ بو تو آپ کے اندر رچ بس گئی ہے!“ موہنی نفرت سے کہتی۔ فرحان بے بس سا اسے دیکھتا رہ جاتا۔ فرحان کا بہت دل کرتا تھا کہ موہنی پہلے کی طرح اس کے کندھے پر سر رکھ کر دنیا جہاں کی باتیں کرے۔ اپنے سارے دن کی روداد سنائے، اس کی سنے! لاڈ اور نخرے دکھا کر فرمائشیں کرے مگر موہنی تو اسے دیکھتے ہی دور بھاگتی تھی۔

فرحان نے دن رات کوشش کرنا شروع کردی کہ اسے کوئی اچھی اور مناسب نوکری مل جائے مگر اس کی سب کوششیں بے کار گئیں۔ ان دنوں موہنی کو ماں بننے کی خوشی ملی تو اس کا مزاج مزید کڑوا ہو گیا۔ ایک دن فرحان دکان سے واپس آیا تو موہنی جس کی طبیعت ان دنوں ویسے ہی خراب رہتی تھی، فرحان کے ہاتھوں پر مرغی کے چھیچھڑے لگے دیکھ کر ابکائی کرنے لگی۔ موہنی کی خراب حالت دیکھ کر فرحان کو پہلی بار خود پر شدید غصہ آیا تھا۔

”فرحان ! مجھے تمہارے سارے وجود سے، شدید بو آتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک دن اس بو سے میرے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی“ فرحان نے نڈھال ہوتی موہنی کا سر اپنے کندھے سے لگایا تو وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی تھی۔ ”تو کیا کروں میں ؟“ فرحان بے بس سا اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

” اپنے انکل کے پاس لندن چلے جائیں ! وہ کب سے بلا رہے ہیں ! کیا مشکل ہے !“ موہنی نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔

” مگر تم کیا کرو گی اور ہمارا ہونے والا بچہ !“ فرحان نے ہکلا کر پوچھا۔ موہنی اور بچے سے جدائی کا سوچ کر ہی اس کا دل بند ہو رہا تھا۔ ”اف ! میں یہاں ہی رہوں گی ! بچہ بھی آپ کا ہی رہے گا ! آپ چھٹیوں پر آجانا ! یہ کون سی بڑی بات ہے !“ موہنی نے گویا سب کچھ طے کیا ہوا تھا۔ فرحان نے بہت کوشش کی کہ وہ موہنی کے پتھر دل کو اپنی محبت اور جدائی کے خوف سے پگھلا سکے مگر موہنی کو سب میں اپنی ناک اونچی کرنی تھی۔ اور پھر وہ ہی ہوا جو موہنی نے چاہا ! فرحان اپنی حاملہ بیوی کو چھوڑ کر پردیس کی خاک چھاننے چلا گیا۔ خاندان بھر نے موہنی کی ہمت کی داد دی، جو اس حالت میں شوہر کو ہنسی خوشی رخصت کر رہی تھی۔ سب موہنی پر ترس کھا رہے تھے مگر موہنی مطمئن تھی، بہت خوش تھی۔ اس خوشی میں وہ فرحان کے ویران ہوتے دل کو نہیں دیکھ سکی۔

فرحان اپنے ملک کے سرد گرم میں، اپنے پیاروں کے ساتھ رزق حلال کمانا چاہتا تھا، وہ اب پردیس کی سرد اور خشک فضاؤں میں حلال اور حرام کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں ہلکان رہتا تھا۔ پردیس کی اجنبی فضاؤں میں قدم قدم پر حرام ملتا تھا، وہ حلال کی تلاش میں بھٹکتا اپنے ملک کو یاد کرتا خود سے ہی ناراض ہوتا چلا گیا۔ فرحان کو اللہ نے

بیٹی سے نوازا۔ وہ وقت اس کے لیے بہت کڑا تھا، جب دیس سے مبارک باد کے فون آرہے تھے۔ "حوریہ کی شکل ایسی ہے، حوریہ کی شکل ویسی ہے، اس کی آنکھیں تمہارے جیسی ہیں، ہونٹ موہنی پر ہیں۔ چہرے کا کٹ ایسا ہے، ویسا ہے"

فرحان سنتا رہا اور اندر ہی اندر برف کی ٹھنڈی قبر میں اترنے لگا۔ وہ اپنی بیٹی کو چھو کر دیکھنا چاہتا تھا، اسے گود میں اٹھا کر چومنا چاہتا تھا۔ وہ خود دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی کیسی لگتی ہے! وہ دوسروں کی نگاہوں سے نہیں، اپنی نظر سے بیٹی کو دیکھنا چاہتا تھا! مگر وہ مجبور تھا کیوں کہ وہ محبت میں کیا وعدہ نبھا رہا تھا! اس نے ایک محبت کی خاطر باقی سب رشتوں کی محبت کو کھو دیا تھا، گنوا دیا تھا اور پھر بھی اس کی بیوی خوش نہیں تھی!

اب جب وہ اتنے عرصے کے بعد پاکستان آیا تھا تو والدین کی بوڑھی آنکھیں اسے دیکھ دیکھ کر بار بار بھیگ رہی تھیں۔ اس کی بوڑھی ماں خوف زدہ نظروں سے کیلنڈر کی بڑھتی تاریخوں کو دیکھتی۔ اکثر بے دھیانی میں اظہار کر جاتی۔ "اگر کبھی تمہاری غیر موجودگی میں مجھے کچھ ہو گیا تو تم میرے جنازے کو کندھا دینے بھی نہیں آسکو گے!" بوڑھے باپ کے کندھے مزید جھک گئے تھے۔ "اچھا بھلا چلتا کاروبار چھوڑ کر پردیس میں دھکے کیوں کھا رہے ہو بیٹا! جوان بیٹے پاس ہوں تو باپ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا! تمہاری فکروں نے تو مجھے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے!" باپ کے شکوے پر فرحان کٹ کر رہ جاتا۔ بہنیں الگ بھائی سے بار بار لپٹ جاتیں۔ اسے چھو کر دیکھتی رہتیں۔ آنکھوں سے نظر اتارتی۔

"بھائی آپ ہر موقع پر بہت یاد آتے ہیں!" بہنوں کی نم آنکھوں میں خواہش تھی کہ واپس مت جاو مگر فرحان چپ چاپ دیکھتا رہتا۔ "بھائی ایک دوسرے کا سہارا ہوتے ہیں!" بڑا اور منجھلا بھائی کہتے تو فرحان سر جھکا کر رہ جاتا۔ وہ سب کے سامنے جواب دہ تھا سوائے اس عورت کے جسے پانے کے لیے اس نے سب کو ناراض کر دیا تھا۔

◆◆◆

"فرحان بھائی سنجیدہ ہو کر بہت سوبر لگنے لگ گئے ہیں!"

میکے میں شان دار دعوت کے بعد، جب وہ واپس گھر آرہے تھے تو موہنی کی بھابھی نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا تو موہنی نے فخریہ انداز میں اپنے شوہر کی طرف دیکھا تھا مگر فرحان کا انداز سنجیدہ ہی رہا۔ واپسی پر موہنی کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ وہ ہلکا ہلکا گنگنا رہی تھی۔ فرحان خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

جب سگنل پر گاڑی رکی۔

"مجھے گجرے لینے ہیں" موہنی نے ایک ادا سے کہا تو فرحان نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ واپس آکر موہنی نے شیشے میں اپنا سراپا دیکھا۔ ساڑھی اس پر بہت جچ رہی تھی۔ موہنی نے ایک نظر سوئی ہوئی حوریہ پر ڈالی اور پھر دونوں ہاتھوں میں گجرے پہن کر مسکراتی ہوئے ٹیرس پر چلی گئی۔ فرحان سگریٹ کے دھویں میں گم تھا۔ جب سے اس کی واپسی کے دن قریب آرہے تھے فرحان ایسے ہی گم صم اور سنجیدہ سا رہنے لگا تھا۔

موہنی لہراتی ہوئی اس کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ فرحان کے ارتکاز میں کوئی کمی نہیں آئی۔ موہنی نے اس کے بازو میں اپنا بازو ڈالا اور مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ فرحان بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ سامنے آسمان پر چاند پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ موہنی نیم وا آنکھوں سے چاند کی روشنی کو دیکھنے لگی۔

"اس پل سے زیادہ خوب صورت اور مکمل کچھ نہیں ہے فرحان!" موہنی کا لہجہ مدھم تھا۔ وہ فرحان کے پرفیوم کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں اتار رہی تھی۔ "کتنی اچھی خوشبو ہے فرحان! ایسا لگتا ہے، جیسے میں تمہاری خوشبو کے حصار میں قید ہوں!" موہنی کی آنکھیں بند تھیں۔

"موہنی! کیا تمہیں اب میرے وجود سے بدبو نہیں آتی ہے؟" فرحان کا لہجہ سرد تھا۔ "نہیں!" موہنی نے اطمینان سے کہا۔ "مگر تمہیں بدبو آنی چاہیے موہنی!" فرحان نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔ موہنی نے آنکھیں کھول کر حیرت سے دیکھا۔ "کیا مطلب؟" موہنی نے سر اٹھا کر فرحان کی طرف دیکھا۔

"موہنی! پہلے تو میرے وجود سے رزق حلال کے پسینے کی بدبو آتی تھی جو تمہیں بہت ناگوار گزرتی تھی اور اب!!!" فرحان کہتے کہتے چپ کر گیا۔ "اب کیا؟" موہنی نے آہستگی سے اسے ہلایا۔

"اب تو میرے ہاتھ پردیس میں لوگوں کی گندگی اٹھاتے اور صاف کرتے ہیں، تمہیں خوش کرنے کے لیے میں حرام حلال کی تمیز بھول گیا ہوں۔ موہنی کیا تمہیں میرے ہاتھوں، میرے وجود سے پردیس کے ٹوائلٹ، فرش وغیرہ صاف کرنے کی بدبو نہیں آتی؟ یا فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ بدبو کہیں پیچھے رہ گئی ہے!" فرحان طنزیہ ہنسا تھا۔ موہنی کا رنگ فق ہو گیا، وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔ جیسے فرحان کے وجود پر اسے گندگی لگی نظر آرہی ہے۔ "تم وہاں ٹوائلٹ صاف کرتے ہو؟" موہنی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں! پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے سب کام کر لیتا ہوں! کیوں کہ موہنی پردیس میں کوئی آپ کو سوٹ بوٹ والی نوکری نہیں دیتا! وہاں جینا ہے تو ہر طرح کا کام کرنا پڑتا ہے، ہر طرح کا! تم سمجھ رہی ہو نا! ہاں ایک تم ہی تو سب سمجھتی ہو!"

فرحان پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگا۔ موہنی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تمہیں شاید لنڈے کے ان کپڑوں اور پرفیوم سے لوگوں کی گندگی کی بدبو نہیں آرہی، مگر موہنی مجھے ہر لمحہ، ہر پل خود میں سے شدید بدبو آتی ہے! ٹھہرو!! میں نہا کر آتا ہوں!"

فرحان کہتا ہوا تیزی سے اٹھ کر اندر کی طرف بھاگا تھا۔ موہنی کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے آس پاس بہت شدید بدبو پھیل گئی ہے! اس نے ذرا غور کیا تو یہ بدبو اسے اپنے اندر سے آرہی تھی۔ اپنی گلی سڑی سوچ میں سے، اپنے وجود کی خود غرضی سے! موہنی گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

کچھ دیر کے بعد فرحان تازہ دم ہو کر واش روم سے باہر نکلا تو حیرت سے اپنی جگہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ موہنی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں کسی کاغذ کے دو ٹکڑے تھے۔ فرحان آگے بڑھا۔ اس نے حیرت سے اپنی دو حصوں میں بٹی ٹکٹ کی طرف دیکھا اور پھر موہنی کے بھیگے چہرے کی طرف دیکھا۔ "مجھے آج احساس ہوا ہے فرحان! کہ اصل بدبو وہ نہیں ہے جو ہمیں دوسروں سے آتی ہے! اصل بدبو وہ ہے جو ہمیں خود سے نہیں آتی ہے" فرحان کے چہرے پر ہلکی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے موہنی کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو ہلکے سے دبایا اور مسکرا کر سوئی ہوئی حوریہ کی طرف بڑھ گیا۔ "ٹیرس کا دروازہ بند کر دو موہنی! کمرے میں اب کوئی بدبو نہیں ہے!"

فرحان نے حوریہ کو اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے اطمینان سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

"ہاں! اب مجھے کبھی دوسروں میں سے بدبو نہیں آئے گی کیوں کہ اب مجھے اپنے وجود سے اٹھتی بساند کا احساس ہو گیا ہے!" موہنی نے خود کلامی کی۔ موہنی ٹیرس کا دروازہ بند کر کے بیڈ کے پاس آئی اور فرحان کے قدموں کے پاس بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگی۔

کچی نیند میں فرحان نے اپنی پیروں پر ہلکی سی نمی محسوس کی تھی۔ وہ تصور کی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کی محبوب بیوی پچھتاوے کے آنسو بہا رہی ہے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی آنکھ کھول کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ آنے والے دنوں کے خوب صورت تصور میں گم تھا! جہاں اس کے آس پاس سب اپنے تھے!!

# آزمائش

• عائشہ تنویر

"بہن سمجھا ہوتا تمہاری ماں نے تو بات سنتی میری، مگر وہ تو رشتہ ہوتے ہی سمدھن بن بیٹھی۔" دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے اونچی آواز سنی اور لمحہ بھر رک کر صورتِ حال کا جائزہ لیا جو خاصا حیرت انگیز تھا۔ برآمدے میں رکھے تخت پر خالہ سر پر پٹی باندھے بیٹھی تھیں، ان کی مسلسل چلتی زبان سے لگ نہیں رہا تھا کہ ان کے سر میں درد ہے۔ باورچی خانے کے دروازے میں مجرموں کی طرح سر جھکائے ان کی بہو عالیہ کھڑی تھی۔

وہ بلند آواز سے سلام کرتی ہوئی آگے بڑھی تو خالہ کا دھیان اس کی طرف ہو گیا۔ عالیہ، ماریہ کے سلام کا مدھم سا جواب دیتی ایک طرف لگے واش بیسن کی طرف چلی گئی اور منہ دھونے لگی۔ اس کی نم آواز اور گیلی آنکھیں تمام صورت حال بتانے کے لیے کافی تھیں۔ یہ سفید پوش لوگوں کا محلّہ تھا۔ یہاں ساسوں کا اپنی بہوؤں کو باتیں سنانا عام تھا لیکن عالیہ، خالہ سکینہ کی سگی بھانجی اور بہت لاڈلی نئی نویلی بہو تھی۔

آج سے پہلے ماریہ نے کبھی انہیں عالیہ کو ایسے ڈانٹتے نہیں سنا تھا۔ خالہ زبان یا غصے کی تیز سہی مگر دل کی بہت اچھی تھیں۔ یہ بات ماریہ ہی نہیں، عالیہ بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے ان کی تلخ، ترش کو ہنسی میں اڑا دیتی۔ اس وقت اس کے تاثرات نے ماریہ کو پریشان کر دیا۔ بچپن کا آنا جانا تھا۔ خالہ کی بیٹی سونیا، عالیہ اور ماریہ بہترین دوست تھیں۔ کوئی پردہ داری والی بات نہیں تھی۔ اسی لیے خالہ کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے ماریہ نے بے اختیار پوچھا۔

"خیریت تو ہے خالہ، عالیہ کو ڈانٹ رہی تھیں۔"

"ہونا کیا ہے، اپنی غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ فہیم کی فیکٹری والوں نے اسے معطل کر دیا ہے۔ کوئی دوا الٹی چل گئی، اللہ جانے کس کی لاپروائی تھی، لاکھوں کا نقصان ہو گیا۔" انہوں نے دکھی انداز میں ہاتھ ملے۔

"اللہ خیر کرے، کیسے ہوا یہ؟ کہاں ہیں فہیم بھائی؟" ماریہ بھی ایک دم پریشان ہو گئی۔ فہیم خالہ سکینہ کا اکلوتا بیٹا اور گھر کا واحد کمانے والا تھا۔ کسی فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ "کمپنی ہی گیا ہے۔ تحقیقات ہو رہی ہیں ابھی۔ فہیم کہہ رہا تھا۔ میری غلطی نہیں ہے تو میں کیوں منہ چھپا کر بیٹھ جاؤں، یونین والوں سے بات کرے گا۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔ تب ہی عالیہ منہ دھو کر آ گئی۔"

چائے پیو گی ماریہ؟" بہتے آنسو رک گئے تھے، لیکن سرخ آنکھوں اور بھاری آواز سے اس کے بہت دیر تک رونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ماریہ نے بغور اسے دیکھا مگر اس کے جواب سے پہلے ہی خالہ بولیں۔

"ہاں بھئی، بنالو چائے۔ ایک کپ میں بھی پی لوں۔ سر دکھ گیا ہے میرا تو سوچ سوچ کر، کیسی غلطی کر دی میں نے لوگوں کی باتوں میں آ کر۔" خالہ نے عجیب بے زار لہجے میں کہا تو عالیہ کی آنکھوں میں پھر پانی جمع ہونے لگا۔ وہ کچھ کہے بغیر تیزی سے پلکیں جھپکتے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

"عالیہ سے ناراض ہیں خالہ؟" ماریہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ خالہ سے لاکھ دوستی اور اچھے تعلقات سہی لیکن ڈر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں اسے ہی نہ ڈانٹ پڑ جائے کہ تم کیوں دخل دے رہی ہو یا اس کی امی سے ہی اپنے مخصوص انداز میں شکایت کر دیں۔ "سنبھالو اپنی بٹیا کو، اچھی لڑکیوں کے یوں ٹوہ لینے والے اوصاف نہیں ہوتے۔"

خیر رہی، خالہ نے ایسا کچھ نہیں کہا بلکہ ایک سرد آہ بھری۔ ان کے چہرے پر تاسف پھیل گیا۔ "اس سے کیوں ناراض ہونا، بس ایسے ہی غصہ آ گیا تھا۔ کتنا زور لگایا تھا میں نے کہ صفر میں شادی نہ کرو۔ تیرہ تیزی کا مہینا ہے، ہمیں راس نہیں آتا لیکن کسی نے میری ایک نہ مانی۔ عالیہ کی ماں اور تم۔۔"

کہتے کہتے رک کر انہوں نے اسے گھورا، وہ چپکی بیٹھی رہی اور پھر وہ خود ہی بولیں: "ہر کوئی مجھے ہی سمجھاتا رہا مگر وہی ہوا نا! جس کا مجھے ڈر تھا۔ مہینا ہوا نہیں شادی کو اور مصیبت آ گئی۔" خالہ گو بات کے شروع میں محض دل گرفتہ معلوم ہو رہی تھیں لیکن جملے کے اختتام تک آتے ان کی آواز دوبارہ بلند ہو گئی اور غصہ عود کر آیا۔ آواز یقیناً عالیہ تک بھی گئی ہو گی۔ ماریہ نے کن اکھیوں سے باورچی خانے کی طرف دیکھ کر ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔ "کیا ہو گیا ہے خالہ، عالیہ سن لے گی۔"

انہیں مزید غصہ آ گیا۔ "سنتی ہے تو سنے، ڈرتی نہیں ہوں میں اس سے۔ ان ہی لوگوں نے ضد کر کے صفر میں شادی رکھی تھی۔ خود تو مصیبت میں آئے اور ہمیں بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔ مت ماری گئی تھی میری، جو یہ بات مان لی۔"

ماریہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اس طرح نہیں کہتے خالہ، سونیا ماشاء اللہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ اس کی بھی تو صفر میں شادی ہوئی تھی۔" اس نے آرام سے سمجھانا چاہا۔

"بس کرو، سونیا کا نام مت لو۔ وہ بے چاری ویسے ہی بہت تنگی میں ہے۔ سسرال والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔" خالہ کا ردعمل بہت جارحانہ تھا۔ انہیں چپ کروانا ممکن نہ تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ جب وہ اس کے سامنے اتنا کچھ کہہ رہی تھیں تو وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ عالیہ کیا کچھ نہ سن رہی ہو گی۔

ماریہ کے حساب سے تو بات کچھ اتنی بڑی بھی نہ تھی۔ خالہ کی بیٹی سونیا کے سسرال والوں نے شادی کی تاریخ مانگی تو خالہ نے سوچا کہ ساتھ ہی بہو بھی لے آئیں تاکہ اکیلا نہ رہنا پڑے۔ ان ہی دنوں عالیہ کے بھائی کا سعودیہ سے چھٹیوں پر آنا بھی ہو گیا۔ اس کے گھر والے بھی خوش تھے کہ چلو بہن کی شادی میں بھائی شامل رہے گا۔

مسئلہ تب بنا، جب چاند کی تاریخ کے حساب سے شادی کا دن منتخب کرنے بیٹھے۔ عالیہ کے بھائی کی چھٹیاں محرم، صفر کے مبارک مہینوں میں آ رہی تھیں۔ اب ایک طرف خالہ محرم اور صفر میں شادی کرنے کو تیار نہ تھیں اور دوسری طرف عالیہ اور اس کے گھر والوں کی ضد کہ اگر اس سال شادی کرنی ہے تو بھائی کی چھٹیوں میں ہی کر لو ورنہ جب وہ اگلے سال آئے گا تو شادی ہو گی۔

ماریہ خود بھی عالیہ کے ساتھ تھی اور ایسے توہمات پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ معاملات خراب ہونے سے پہلے اس نے خالہ کو خود بھی سمجھایا، درس والی آنٹی سے بھی ملوایا، جنہوں نے خالہ کو احادیث کا حوالہ دے کر بہت طریقے سے سمجھایا کہ اسلام میں کوئی مہینا، وقت یا گھڑی منحوس نہیں۔ جب چاہے نکاح کی سنت پر عمل کرو، خوشیاں مناؤ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے تو وہم کیسا! اکیلے پن کا خوف بھی تھا اور سب کا دباؤ بھی تو بالآخر خالہ نے ہار مان لی اور صفر میں ہی لاڈلی بھانجی کو بہو بنا کر لے آئیں۔

مہینا بھر تو خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے گزرا، اب اچانک یہ حادثہ خالہ کو دوبارہ اپنے وہم پر لے گیا۔ ماریہ دکھی دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔ ایک طرف عالیہ کی فکر تھی تو دوسری طرف یہ ڈر بھی کہ اگر یہ مشکل جلدی نہ ہٹی تو خالہ دوبارہ اپنے وہموں بھرے خیالات میں گھر کر شیطان کا آسان شکار بن جائیں گی۔

اسے سونیا سے بات کرنے کا خیال آیا مگر وہ نئی شادی، نئے لوگوں کی الجھنوں میں گرفتار اس بات کو ان سنا کر گئی۔ زمین جائیداد کے مسئلے جو پہلے سے خاندان میں چلتے آ رہے تھے، اس کے لیے نئے تھے اور اسے الجھائے رکھتے۔ اس لیے کسی نے بھی اسے تفصیل بتا کر پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

فہیم عالیہ سے محبت کرتا تھا، اس کا خیال رکھتا تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے ایسا کوئی وہم نہیں تھا مگر وہ اپنی بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔ خالہ سارا دن خود بھی پریشان ہوتیں اور رہ رہ کر عالیہ کو ہی سناتیں۔

"دنیا کی شادیاں باپ کے بنا ہو جاتی ہیں، انہیں بھائی کے چاؤ چڑھے تھے۔ حد ہو گئی، نکاح تو جیسے اسی نے پڑھانا تھا جو اس کا ہونا ضروری تھا۔ اپنی ضد سے میرے بیٹے کی زندگی خراب کی۔ لگی بندھی روزی میں بندش آ گئی۔"

عالیہ خاموشی سے سنتی تو رہتی لیکن مستقل تلخی اسے ذہنی تناؤ کا شکار رکھتی۔

شام کو فہیم تھکا ہارا گھر آتا تو ماں اور بیوی دونوں ہی اس کی دل جوئی میں لگ جاتیں۔ وہ پرانی کمپنی میں خود پر لگا الزام ہٹانے کے لیے بھی جا رہا تھا، ساتھ ساتھ نئی نوکری کی تلاش بھی جاری تھی۔ ایسے میں یہ گھریلو مسائل اس کے سامنے رکھنا تو نری حماقت تھی۔ بس ماریہ آتی یا عالیہ کبھی ماریہ کے گھر جاتی تو دل کی بھڑاس نکال لیتی۔

"بس دعا کرو ماریہ کہ فہیم کو جلدی سے اچھی نوکری مل جائے تاکہ خالہ کے طعنے تو ختم ہوں۔ یقین نہیں آتا، یہ وہی میری سگی خالہ ہیں جو مجھے پلکوں پر بٹھاتی تھیں۔" عالیہ نے بے چارے پن سے کہا۔

"چھوڑو عالیہ، دل خراب مت کرو۔ خالہ ظالم نہیں ہیں۔ بس پریشانی میں کہہ جاتی ہیں، یہ بات ان کے دل میں گڑی تھی۔ ہمارے سمجھانے پر مان گئی تھیں لیکن وائے قسمت! اس حادثے نے انہیں پھر اسی مقام پر لا کھڑا کیا۔ جانے کیا کیا وہم انہیں ستاتے ہیں تو تلخ ہو جاتی ہیں۔" ماریہ نے پیار سے سمجھاتے ہوئے اس کا دل صاف کرنا چاہا تو عالیہ نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ یہ بھی سچ ہی تھا کہ جب کبھی وہ اسے بہت سخت سست کہہ دیتیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خود دکھی ہو جاتیں۔

"نہ رو میری بچی۔ تیری خوشیوں کے لیے ہی کہتی تھی۔ جو ہونا تھا ہو رہا۔ مجھے تو یہ پریشانی ہے کہ اب ساری زندگی کیا ہو گا۔" خالہ کے اس دھوپ چھاؤں مزاج کی عالیہ عادی ہو گئی تھی۔ اس حادثے نے اسے اللہ کے قریب کر دیا تھا۔ پہلے جو وہ بمشکل پانچ وقت کی نماز پڑھتی تھی، اب ہر وقت باوضو رہ کر آیت کریمہ کا ورد کرتی رہتی۔ اس کا رواں رواں اللہ کی رحمت کے لیے فریاد کرتا اور رب العالمین سے مدد مانگنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔

مہینا بھر بعد ہی فہیم کو نوکری پر بحال کر دیا گیا تھا۔ تحقیق سے معلوم ہو گیا تھا کہ قصور سپروائزر کا تھا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے فہیم پر ملبہ ڈالنا چاہا۔ اس کے ساتھ تو جانے کیا ہوا مگر کمپنی والوں نے فہیم کو بحال کرنے کے ساتھ سپروائزر کے عہدے پر ترقی بھی دے دی تھی۔ عالیہ خوشی خوشی مٹھائی دینے آئی تو ماریہ نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا اور فوراً ہی خالہ کو مبارک باد دینے چلی گئی۔

"مبارک ہو خالہ، بہت بہت مبارک ہو! لیکن ایک گلاب جامن سے میرا کام نہیں چلے گا، میں تو پورا اڈبا لوں گی۔" وہ خوشی سے کہتی خالہ کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کھا لینا، تم سے بڑھ کر نہیں ہے۔ پتا ہے، سونی کا فون آیا تھا، زمین کا مقدمہ جیت گئے وہ لوگ۔ اب گھر کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" خالہ نے محبت اور خوشی سے لبریز لہجے میں جواب دیا اور ساتھ ہی عالیہ کو آواز لگائی۔

"عالی بیٹا، ماریہ کے لیے چائے اور سموسے تو لاؤ۔" مہینا بھر بعد انہوں نے عالیہ کو اتنے پیار سے پکارا تھا۔ "دیکھ لیں خالہ صفر میں شادی کا کمال، دو سال سے رکی فہیم بھائی کی ترقی دو مہینے میں ہو گئی۔ سونی کے خاندان والے سالوں سے اٹکا مقدمہ جیت گئے۔" ماریہ نے شوخی سے چھیڑا۔

"اچھا، برا وقت تو زندگی میں آتا جاتا رہتا ہے۔ بس ہمیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، وہ درس والی خاتون بھی تو یہی کہہ رہی تھیں نا!"

خالہ نے اعتراف کیا۔ خالہ اور ماریہ دونوں ہی کھلے دل سے مسکرا دیں۔

جنید امین

جنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

# منحوس سال

کائنات غزل

”نوری۔نوری! پلیز ایک گلاس سلیش بنا دو جلدی سے۔،اووو۔واوٴ گرینڈ ما، کیسی ہیں آپ! کب آئیں؟“سمیر ایک ہی سانس میں پہلے نوری اور پھر دادو سے بات کرتا بیگ ٹیبل پر اچھال کے صوفے میں دھنس گیا۔”ارے بچے سانس تو لو! کہاں سے آرہے ہو؟ اس چلچلاتی دھوپ میں۔“رقیہ بیگم نے قرآن پاک چوم کے جزدان میں رکھا۔”قسم سے گرینڈ ماں! یہ Bad Luck انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔یونی گیا تھا اسائنمنٹ جمع کرانے۔لیٹ پہنچا۔پروفیسر صاحب نکل چکے تھے۔واپسی میں گاڑی خراب۔افففف! یہ جو منحوس سال ہے نا! اس میں یقین کریں کوئی کام ٹھیک نہیں ہو رہا۔“سمیر برے۔برے منہ بناتے بولا۔”آئے ہائے! بیٹا ایسے نہیں کہتے۔کوئی وقت، کوئی سال، کوئی زمانہ برا نہیں ہوتا۔“

”نہیں دادی بیگم! چھوٹے صاب ٹھیک ہی کہتے ہیں۔دیکھیں تو پورا سال ہی جی نحوست مارا ہے۔کتنی بیماریاں کتنے حادثات ہوئے ہیں جی، اس سال میں۔“نوری جگ سے سلیش نکالتے ہوئے گلاس رقیہ بیگم کو پکڑاتے ہوئے بولی۔”لو جی! یک نا شد دو شد۔بری بات ہے نوری ایسے نہیں کہتے!“

کیوں دادی بیگم! آپ خود ہی دیکھ لو جی، سال کے شروع میں کیماڑی والا حادثہ ہوا جی۔اس میں میرا ماما مارا گیا جی، پھر گولی مار میں عمارت گر گئی۔اس میں میرے چچا کا بیٹا کام کرتا تھا، وہ معذور ہو گیا جی۔یہ منحوس کورونا بھی اسی سال میں آمرا! پھر جہاز گر گیا۔نحوست مارا سال ہے جی۔اب بھی پتا نہیں کیا کیا دیکھنا باقی ہے۔“نوری رندھی ہوئی آواز میں بولی

”نوری او نوری ادھر آو میری بچی!“وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی باہر آئی۔”جی دادی بیگم!“رقیہ بیگم نے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا:”دیکھ بیٹا! انسان کو اللہ پر کامل یقین ہو کہ کام اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تو!“

”گرینڈ ماں! نوری نے ٹھیک ہی تو کہا ہے۔واقعی یہ سال Tranal ہے۔پڑھائی کا الگ نقصان ہو رہا ہے۔عذاب بن گیا ہے۔“سمیر کشن پٹخ کے پھر لیٹ گیا۔”السلام علیکم! ارے واہ! اماں آئی ہوئی ہیں۔کیسی ہیں اماں۔“باقر درانی کی آمد پر رقیہ بیگم کی بات ادھوری رہ گئی۔”وعلیکم السلام، جیتے رہو خوش رہو۔پھلو پھولو، صبح میں حاشر چھوڑ گیا، بہت دل چاہ رہا تھا تم سب سے ملنے کا۔“رقیہ بیگم نے باقر صاحب کا ماتھا چوما۔”اور بھئی۔سمیر اسائنمنٹ جمع ہو گیا آپ کا۔“سمیر کے برابر بیٹھتے ہوئے بولے۔”کہاں ڈیڈ! اس منحوس سال میں کچھ ڈھنگ کا کام ہوا بھی ہے؟“

”ارے ارے پھر وہی ایک ہی رٹ۔بیٹا اپنی کوتاہیوں کا ذمے دار سال کو کیوں بناتے ہو۔“رقیہ بیگم نے چشمے کی اوٹ سے سمیر کو گھوری دی۔” صحیح کہہ رہا ہے اماں یہ، واقعی اس سال جتنا نقصان ہوا ہے، کبھی نہیں ہوا۔“

”حد ہی ہو گئی یک نا شد دو شد۔دو نا شد تین تین شد“رقیہ بیگم نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔”اماں یقین کریں اس سال میں پورا بزنس گھاٹے میں جا رہا ہے۔ملازمین کو مفت میں تنخواہیں جیب سے دینی پڑ رہی ہیں۔ملک کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔آئے روز کتنی اموات ہو رہی ہیں۔رہی سہی کسر ان بارشوں نے پوری کر دی۔اتنا برا وقت تو کبھی نہیں آیا بہت ہی برا دور آگیا ہے۔“

”میرے بچے! یہ وقت، دور یہ سب زمانہ کہلاتا ہے اور حدیث سے زمانے کو برا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزّو جل نے فرمایا: مجھے ابنِ آدم تکلیف دیتا ہے، وہ کہتا ہے ہائے زمانے کی بربادی! تو تم میں سے کوئی آدمی یہ نہ کہے کہ ”ہائے زمانے کی بربادی۔“کیوں کہ میں زمانے (کا خالق) ہوں، رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں اور جب میں چاہوں گا ان کو قبض کر لوں گا۔“

”لگتا ہے یہاں کوئی خاص گرما گرم بحث چل رہی ہے۔“سیڑھیوں سے اترتی مناہل کی آواز پر سب نے ہی اسے دیکھا۔”مناہل بی بی! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے گرما گرم پکوڑے۔۔“

”ارے ہاں! پکوڑوں سے یاد آیا۔ تم نے گرینڈ ما کی کچھ خاطر تواضع بھی کی، نکمّی لڑکی۔“مناہل اب نوری کے سر پر پہنچ چکی تھی۔”جی بی بی جی۔دادی بیگم کو ابھی سلیش دیا۔اس سے کچھ دیر پہلے چائے دی، اس سے پہلے۔“

”اچھا بس بس۔اسٹاپ۔تم میں تو چابی بھرنے کی دیر ہوتی ہے۔، گرینڈ ما۔سوری پلیز۔میں آپ کو ضرور ٹائم دیتی، لیکن مجھے جانا ہے اپنی فرینڈ کے گھر۔کمبائن اسٹڈی کے لیے۔پھر آن لائن کلاس۔!“

”اس سال نے تو سب کچھ برباد کر کہ رکھ دیا۔پورا شہر ڈوبا ہوا ہے۔میں کوشش کروں گی شام سے پہلے آنے کی، آپ ہیں نا شام تک۔!“وہ جلدی جلدی بولتی ان کے گلے لگی۔اور یہ جا اور وہ جا۔! رقیہ بیگم ناک کی پھنگ پر عینک رکھے اس ہوائی گھوڑے کو دیکھتی ہی رہ گئیں۔”یہ۔یہ تم دیکھ رہے ہو، باقر! اس کا لباس۔“”کیا ہوا اماں اس کے لباس کو۔؟“باقر درانی حیرت سے گویا ہوئے۔”ارے یہ جینز۔یہ کرتی۔اس پر برائے نام دوپٹا۔یہ لباس باحیا عورت کا ہے؟“

”ارے اماں کیا ہو گیا ہے آپ کو! کیسی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں آپ بھی! وقت اور ماحول کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔اگر نہیں چلیں گے تو زمانے سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔اور ویسے بھی وہ بچی ہے ابھی۔بچیاں ایسے ہی اچھی لگتی ہیں۔اور برائی کیا ہے اس کے لباس میں۔“باقر درانی زِچ ہونے لگے۔”ہائے میرے اللہ! قرب قیامت ہے۔ارے برائی کو برائی ہی نہیں سمجھ رہے۔یہی تو باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم پر اتنے عذاب آرہے ہیں۔کسی برے عمل کو برا ہی نہیں سمجھتے۔لڑکی ذات ہے، یوں لڑکوں کی طرح آزاد گھوم کر خدا کے قہر کو آواز دے رہی ہے۔اس کا وبال تم پر بھی آئے گا بیٹا! ہمارے پیارے نبی ﷺ تو قیامت تک کے نبی ہیں۔تم کوئی چیز لاتے ہو۔وارنٹی میں ہوتے ہوئے خراب ہو جائے تو کلیم کرتے ہو کہ نہیں۔؟ارے ہمارے پیارے نبی ﷺ کی امت قیامت تک وارنٹی میں ہے۔کیسے کلیم نا لگے۔یہی اعمال ہیں ہمارے۔صبح سے شام تک کے۔ان ہی گناہوں کی وجہ سے ہم پر مسلسل چھوٹی چھوٹی صورتوں میں عذاب آتے رہتے ہیں۔خدا کی وارننگ کو اپنے لیے نہیں سمجھتے۔یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو محفوظ ہیں۔یعنی خود ہر عذاب الٰہی کا انتظار کر رہے ہیں۔گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے۔اور جن گناہوں کو گناہ سمجھتے بھی ہیں تو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“رقیہ بیگم سانس لینے کو رکیں۔تو باقر درانی گہری سوچ میں نظر آئے۔اب یہ اپنے ہاتھ میں دیکھ لو۔سب سے بڑا فتنہ۔کتنی برائیوں کی جڑ ہے۔دجال ہے دجال موا۔ہمارے زمانے میں محلے کے کسی ایک گھر میں ہوتا تھا ٹی وی۔۔چھپ چھپ کے کوئی دیکھنے جاتا تو گناہ گار سمجھا جاتا۔پھر توبہ کی نفلیں پڑھتا۔آج دیکھ لو۔بچے بچے کے ہاتھ میں دجالی فتنہ۔گانے، میوزک۔فلمیں، فحاشی۔کون سی برائی ہے جو اس میں نہیں۔مگر گناہ سمجھے کون۔؟اپنے اعمال کو زمانے کی نحوست کا نام دے کر بری الذمّہ نہیں ہو سکتے باقر میاں۔ان عذابوں میں گھرے ہیں۔خدا کی وارننگ ہے۔“ڈر جاوٴ اب بھی۔ بچ جاوٴ اب بھی۔!!!

# چمڑی جائے

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک قصبہ تھا، جہاں چھوٹے،بڑے، ٹوٹے پھوٹے، کچے پکے گھر تھے۔ یہ صلاح الدین آٹے والے کا گھر تھا۔ جسے اللہ نے بہت نوازا تھا۔ وہ آٹے کا بیوپاری تھا۔ اس کے کاروبار کا مقصد صرف فائدہ حاصل کرنا تھا۔ وہ آٹے کی بوریاں گودام میں جمع رکھتا۔ اچانک بارش ہونے، سیلاب آنے، ٹڈی دل حملوں سے گندم کی فصل خراب ہونے یا کسی اور وجہ سے بازار میں آٹا دستیاب نہ ہوتا تو ایسے میں صلاح الدین آٹے والا آٹا دکانوں پر اپنی مرضی کے بھاؤ میں بیچتا اور غریبوں کی مجبوری کا خوب فائدہ اٹھاتا۔ وہ مدد کرنے کا قائل نہیں تھا اور بہت سارے پیسوں سے اپنی تجوری بھرنا چاہتا تھا۔ کنجوس اتنا تھا کہ ضرورت کے لیے پیسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دیتا تھا۔ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے اپنا گھر اچھا بنا رکھا تھا۔ اس کی بیوی رشیدہ بڑی صابر عورت تھی۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتی اور سارا دن گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی رہتی تھی۔

صلاح الدین آٹے والے کے تین بچے تھے۔ کلیم اس کا بڑا ذہین بیٹا تھا۔ اسے چاند اچھا لگتا تھا۔ شام ہوتے ہی وہ رات ہو جانے کا انتظار کرتا اور صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھ کر گھنٹوں تکتا۔ کلیم کو "چندا ماموں" بڑے پیارے لگتے تھے۔ یہ بات اسے چاند دیکھ کر اماں نے بتائی تھی کہ یہ "چندا ماموں" ہیں۔ وہ اپنی دھن کے پکے تھے۔ دھیرے دھیرے چلتے تھے، اسے کبھی بوڑھے لگتے تھے، جیسے گلی کے چاچا خیر ولا ٹھی پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اپنی دنیا تو اس کی دیکھی بھالی تھی۔ وہ تو چاند پر جانا چاہتا تھا۔ چاند کبھی اسے ہوا کی تھالی لگتا جو آسمان پر ٹکا تھا۔ وہ چاند نگر کا چپہ چپہ گھومنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ چاند گاڑی میں بیٹھ کر چاند نگر جانا چاہتا تھا۔ بچے تو چاند جیسے ہی ہوتے ہیں، اس کی اماں کہتی تھیں۔ دن کو جانے کہاں چھپ جاتا ہے، اس کی جگہ سورج دیکھ کر وہ اماں سے کہتا۔ یہ چاند ہی ہے جو بھیس بدل کر آیا ہے۔ رات کو جب چاند دیکھتا تو سوچتا کاش چاند نگر جا سکتا۔ اسے ننھی سی گڑیا اور کبھی چرخے والی بڑھیا سے دعا ملتی۔ چاند جاتے ہوئے اسے جگنو بھی ملیں گے۔ کتنا اچھا لگے گا۔ اماں نے تو یہ بھی بتایا تھا کہ چاند نگر میں پریاں اپنا رنگ جماتی ہیں اور پیارے سے نغمے سناتی ہیں۔ وہ جب اپنے ابا صلاح الدین آٹے والے سے بات کرتا، چاند نگر جانے کے لیے چاند گاڑی کی خواہش کرتا تو صلاح الدین آٹے والا اپنے بیٹے کو ایسا جھڑکتا کہ وہ سہم جاتا اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتا۔ بالکل اس طرح جیسے اپنی دکان پر کسی غریب آدمی کو سستا آٹا کہہ دینے پر کرتا تھا۔ ایسے میں اس کی ماں اسے پاس بلا لیتی اور سینے سے لگاتی۔ وہ آسمان پر تارے دیکھو وہ تارے چھوٹے چھوٹے بلب لگتے ہیں ناں! جلتے بجھتے ہیں۔ دیکھو دیکھو وہ دیکھو وہ جگنو کے پیچھے لالٹین لگی ہے۔ اڑتا ہے تو روشنی ہوتی ہے۔ یہ رات کو چمکتا ہے جب یہ آسمان پر اڑتا ہے۔ پردار کیڑا ہے اور سب کیڑوں کا سردار ہے۔ وہ آنسوؤں اور حیرت بھری آنکھوں سے دیکھتا۔ ابا کی ڈانٹ ڈپٹ اور اماں کی دلچسپ باتیں گڈمڈ ہونے لگتیں۔ یہ سب ستارے ہیں، ہماری رات ان سے روشن ہے۔ چمک دمک کر اپنی تانیں دکھاتے ہیں۔ آسمان تو موتی کی تھال کی طرح اسے لگتا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر آسمان دیکھنے لگتا۔ یہ کلیم کی ماں تھی، جو اسے سمجھتی تھی اور اس سے پیار کرتی تھی۔

صلاح الدین آٹے والے کی چھوٹی سی بیٹی تھی۔ عذرا جسے پیار سے سب "تتلی" کہتے تھے۔ تتلی کو رنگ برنگی پھولوں پر منڈلاتی تتلیاں ہی پسند تھیں۔ وہ گھر سے باہر باغ میں تتلیاں دیکھ کر خوش ہوتی، مگر اس کا اس سے بڑا بھائی خاور بڑا شریر تھا۔ خاور ہر تتلی کو پھولوں پر سے اڑا دیتا۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ ماں کے ساتھ گھر کے باہر باغ میں بیٹھی تھی۔ اچانک پھول پر تتلی کرسی سمجھ کر بیٹھی تتلی اسے دیکھ کر خوش ہوئی۔ خاور اس رنگ برنگی تتلی کو پکڑنے آگیا اور وہ آگے پیچھے مڑنے لگی۔ خاور آگے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہانپ جاتا۔ اس کی بہن تتلی چیختی چلاتی چھوڑ دو، اسے مت پکڑو۔ باغ میں اتنا شور سن کر صلاح الدین آٹے والے نے دونوں بچوں پر شدید غصہ کیا۔ بچے

سہم کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ ابا کی اتنی سختی کے باوجود خاور نے شرارت کرنا نہ چھوڑی۔ اماں ہر جمعرات کو حلوہ پوری بناتی تھیں۔ اسے صبر نہ ہوتا، وہ چپکے چپکے باورچی خانے جاتا اور ہانڈی سے ڈھکنا سرکا کر حلوہ پوری چرا کر اپنی جیب بھر لیتا اور باہر آکر گلی کے بچوں کے ساتھ کھاتا۔ اس جمعرات کو بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ صلاح الدین آٹے والے نے اسے گلی سے رنگے ہاتھوں پکڑا اور خوب پٹائی لگائی۔ محلے کے لوگوں نے کان پکڑ لیے، توبہ معصوم بچے کو اتنا مارتا ہے ناں کنجوس۔۔۔۔۔ اسے مال کے خرچ ہونے یا ضائع ہونے پر شدید غصہ آتا تھا۔ اچانک صلاح الدین آٹے والے کو گودام میں کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔ دو چار دن اسے خارش ہوئی پھر اس کی جلد جھڑنے لگی۔ لوگ حیران تھے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتا بلکہ گھر میں ٹوٹکوں سے بس اپنا علاج کر رہا تھا۔ محلے کے ایک بزرگ اس کی عیادت کے لیے آئے، اس کی جو حالت دیکھی تو بولے: "تمہیں علاج اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔ اس سوچ کو چھوڑ دو۔ پیسہ پھر آجائے گا۔ مرض بڑھ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ تمہارا چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے۔ بزرگ کی باتیں اس کی سمجھ میں آگئیں۔ بقیہ ص 33 پر

# خوشیاں بانٹو

سمیرا انور

کسی جنگل میں ایک ننّھا بھالو رہتا تھا، جس کا نام 'بوبی' تھا۔ بوبی اپنے امی، ابو اور چھوٹی بہن کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا۔ بوبی کے پاس کھیلنے کے لیے بہت سے کھلونے تھے۔ اس کے ابو نے اسے لکڑی، شیشے اور پلاسٹک کے بہت سے مہنگے اور قیمتی کھلونے لا کر دیے تھے۔ بوبی میں ایک عادت بہت بری تھی کہ وہ اپنے کھلونوں کے ساتھ کسی کو بھی کھیلنے نہیں دیتا تھا۔

"بوبی بیٹا! مونو کو بھی اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے دیا کرو۔" ابو جان نے مونو کو خاموشی سے کھلونوں کی طرف دیکھتے پایا تو بے اختیار کہہ اٹھے۔

"ابو جان! یہ میرے سارے کھلونے خراب کر دیتا ہے اور ویسے بھی اسے کھیلنا ہی نہیں آتا۔" بوبی بھالو کی بات سن کر مونو اداسی سے وہاں سے چلا گیا۔ دراصل مونو بھالو بوبی کے ہمسائے میں رہتا تھا۔ مونو اکثر بوبی کے کھلونے دیکھنے اس کے گھر آجاتا، لیکن بوبی اسے اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے نہ دیتا بلکہ انھیں اپنے کمرے میں جا کر چھپا دیتا۔

"بوبی میرے بچے! تم نے مونو کو اپنے کھلونوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلنے دیا؟" امی جان بھی باورچی خانے سے باہر آگئیں۔

"امی جان! مجھے بالکل پسند نہیں کہ میرے کھلونوں کے ساتھ کوئی اور کھیلے۔" بوبی نے منھ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"بوبی بیٹا! ایسے نہ کہا کرو۔ اس طرح تم دوسروں کا دل دکھاتے ہو، جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔" امی جان نے اسے سمجھانا چاہا، لیکن بوبی نے ہمیشہ کی طرح لاپروائی سے ان کی بات سنی اور کمرے میں چلا گیا۔

"کاش! میرے ابو آج زندہ ہوتے تو میرے پاس بھی بہت سے کھلونے ہوتے اور میں بھی بوبی کی طرح خوب کھیلتا۔" مونو بھالو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

مونو بھالو کے ابو کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ گھر میں مونو اور اس کی امی جان رہتے تھے۔ دونوں جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے بیچتے اور ان سے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ اپنے گھر کے حالات دیکھ کر مونو نے کبھی امی جان سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ اس کے پاس کھیلنے کے لیے کوئی کھلونا نہیں تھا، اس لیے وہ بوبی کے گھر چلا آتا کہ شاید وہ اسے اپنے ساتھ کھیلنے کا موقع دے، لیکن بوبی نے کبھی اسے اپنے کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیا تھا۔

"میرے کھلونے واپس کرو۔۔ میرے کھلونے واپس کرو۔" بوبی نے بن مانس کی طرف دیکھتے ہوئے سہمی آواز سے کہا۔

"بھاگو یہاں سے، ورنہ ان کھلونوں کی طرح تمھیں بھی پکڑ کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔" بن مانس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

دراصل آج بوبی بھالو اکیلا ہی جنگل سے کچھ فاصلے پر موجود پہاڑ کی طرف نکل آیا تھا۔ وہ یہاں کھیلنا چاہتا تھا کہ اچانک وہاں 'بن مانس' آگیا۔ اس نے بوبی کے پاس کھلونے دیکھے تو اس کا جی چاہا کہ کیوں نہ وہ اپنے بچوں کے لیے کھلونے لے جائے۔ اس لیے اس نے بوبی کو خوب ڈرایا دھمکایا اور اس سے سارے کھلونے چھین لیے۔ بوبی ڈرتا اور روتا ہوا وہاں سے خالی ہاتھ بھاگ آیا۔ امی جان اور ابو جان کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے بوبی کو چپ کرایا اور اسے مزید کھلونے دلانے کا وعدہ کیا۔

دوسری طرف مونو کے ماموں جان ان سے ملنے آئے تو مونو بھالو کے لیے بہت سے خوب صورت تحفے لائے تھے، جن میں مختلف کھلونے بھی شامل تھے۔ مونو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے کھلونے الماری میں رکھ دیے۔ وہ اب جی بھر کر ان سے کھیلتا اور خوب مزے کرتا۔

"مونو بیٹا! کہاں ہو؟ تم اتنے دن سے ہمارے گھر نہیں آئے تو سوچا کیوں نہ تم سے خود ملنے آجائیں۔" بوبی بھالو اور اس کے امی، ابو مونو کے گھر آئے تھے۔ مونو اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھا۔ اس نے تینوں کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"بھائی جان! جب سے اس کے ماموں کھلونے دے گئے ہیں، یہ تب سے ان سے ہی کھیلتا رہتا تھا۔" مونو کی امی جان نے انھیں بتایا۔ بوبی نے حیرت سے کھلونوں کی طرف دیکھا، کیوں کہ وہ تو اس کے کھلونوں سے بھی زیادہ خوب صورت اور قیمتی تھے۔

"بوبی! آؤ مل کر کھیلتے ہیں۔" مونو بھالو کی آواز سن کر بوبی شرمندگی سے اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔ اس نے تو کبھی مونو کو اپنے ساتھ کھیلنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ بوبی کو اپنا بُرا رویہ یاد آیا تو اس کی آنکھیں مزید جھک گئیں۔

"بوبی جاؤ بیٹا! مونو کے ساتھ کھیلو۔" مونو کی امی جان نے بھی کہا۔ بوبی بھالو نے مونو سے اپنے رویوں کی معافی مانگی اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

"اب ہم دونوں مل کر کھیلا کریں گے۔" بوبی بھالو کی بات سن کر مونو مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگا۔ مونو بھالو نے کوئی پرانی بات نہیں دہرائی اور اپنے رویے سے ثابت کیا کہ زندگی خوشیاں بانٹنے کا نام ہے۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ دوسروں کا دل دکھانے کے بجائے ان کے ساتھ اپنی خوشیاں بانٹی جائیں۔

بقیہ

## چمڑی جائے

آخر وہ ایک طبیب کے پاس گیا، دوا لایا۔ طبیب نے اسے عجیب بات کہی۔ کسی سے زیادتی کی تو معافی مانگ لو، مرض جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ صلاح الدین آٹے والے نے اپنے بیوی بچوں سے معافی مانگی۔ روز بہ روز وہ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔ آخر ایک دن شفایاب ہو گیا۔ دوسرے دن وہ کلیم کے لیے چاند گاڑی، اپنی بیٹی تتلی کے لیے خوبصورت پر اور خاور کے لیے سوہن حلوہ لایا تھا۔ آج بچے بہت خوش تھے انھیں ابا کے تحفے پسند آئے تھے۔

| مشکل الفاظ | معنی |
| --- | --- |
| شفایاب | صحت مند |
| طبیب | حکیم |
| چاند نگر | چاند کی دنیا |
| بیوپاری | کاروباری |
| چپّہ چپّہ | کونا، گوشہ |

# PERVAIZ UMAR
## ENTERPRISE

**Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents**
**Advisors and Attorneys in Customs Cases**

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

**Head Office, Karachi**

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

**Branch Office, Lahore**

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

# جنگلِ دوستاں

آمنہ بخاری

"جنگلِ دوستاں" جنگل میں رہنے والے پرندوں اور جانوروں کی دوستی کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ پھر اچانک پریشانی اور مصیبتوں نے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کچھ جانوروں پر ایسی افتاد ٹوٹ پڑی کہ جنگل کے چرند پرند اداسی اور فکر مندی کا شکار ہوگئے۔

◆◆◆

"بندر میاں کیوں اداس بیٹھے ہو؟" لومڑی خالہ نے بندر کو دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد باندھے آسمان کو تکتے ہوئے دیکھا تو تجسّس سے سوال کیا۔

"کیا بتاؤں خالہ بی؟ بہت مشکل میں پھنس گیا ہوں۔" بندر نے اس کی طرف دیکھ کر روہانسے لہجے میں جواب دیا اور سر گھٹنوں میں دے کر رونے لگا۔

"ارے ارے بندر میاں۔ مسئلہ کیا ہے؟ آخر کچھ تو پتا چلے۔" لومڑی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میری دم لمبی ہو گئی ہے۔" بندر نے دم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"دم لمبی ہو گئی ہے تو مزے کرو۔ زیادہ اونچے درختوں سے لٹکتے اور جھولتے رہو۔" لومڑی نے مسکراتے ہوئے مشورہ دیا۔

"میں لٹکتے ہوئے الجھ جاتا ہوں اور گر جاتا ہوں۔ یہ مجھ سے سنبھالی نہیں جاتی۔" بندر میاں نے پریشانی بتائی۔ یہ سن کر لومڑی بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"جب تک تم ٹھیک نہیں ہوتے میرے ساتھ میرے گھر رہو۔ تمہارا علاج بھی سوچتی ہوں۔" لومڑی نے اسے تسلی دی اور اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ "بہت شکریہ خالہ بی۔" بندر میاں نے کہا اور لومڑی کے ساتھ اس کے گھر کو روانہ ہوا۔

◆◆◆

جنگل میں بہت سارے پرندے و جانور خرگوش، کوے، کبوتر، ہرن، بلیاں، ہاتھی اور چڑیاں جمع تھے۔ وہ سب خرگوش میاں کے کانوں کو دیکھ رہے تھے اور حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ صرف گلہریاں اس جنگل کا حصہ نہیں تھیں۔ انھیں صرف اس لیے جنگل سے نکال دیا گیا تھا کہ بیر کی گٹھلی کے اندر موجود حقیر سا گودا ان کی مرغوب غذا تھا۔

"ارے یہ سب دوست یہاں کیوں جمع ہیں؟" لومڑی اتنے بڑے مجمع کو حیرت سے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"اللہ خیر کرے خالہ بی۔ چلیے چل کر دیکھتے ہیں۔" بندر نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ دونوں اس مجمع کے پاس جانے لگے۔ ذرا آگے بڑھے تو خرگوش کے لمبے کان دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے؟" بندر نے ڈر کے مارے رک رک کر سوال کیا۔

"یہ خرگوش میاں کے کان ہیں۔" بلی نے یہ کہتے ہوئے بندر کی طرف دیکھا تو چیخ کر پیچھے ہٹی۔

"تمہاری دُم۔" اس نے دُم کی طرف اشارہ کیا تو سب نے بندر میاں کی دُم کی طرف دیکھا اور ڈر کر پیچھے ہٹے۔

بندر میاں چلتے ہوئے خرگوش کے پاس بیٹھ گئے۔

"میری دُم بھی لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ نہ جانے ہمیں کس بیماری نے گھیر لیا۔" بندر نے یہ کہتے ہوئے سر جھکا لیا تو سب اداس ہو گئے۔

◆◆◆

خرگوش اور بندر کو لومڑی کی نگرانی میں چھوڑا گیا، تاکہ وہ ان کا دل بہلائے اور باقی سب نے پیپل کے درخت کے نیچے ملنے کا پروگرام بنایا۔

"بادشاہ آ چکے ہیں۔" نگران چڑیا نے ہاتھی کو آتے دیکھا تو سب کو خبردار کیا۔ ہاتھی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"بندر میاں اور خرگوش میاں کی بیماری ہمارے سامنے ہے۔ وہ ہمارے دوست ہیں اور اس وقت مصیبت میں ہیں۔ ہمیں ان کی اس بیماری کا علاج تلاش کرنا ہوگا۔"

ہاتھی نے رعب دار انداز میں بات کرتے ہوئے سب کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ ہمیں حکیم جی کے پاس جا کر مسئلہ بتانا ہوگا۔"

ہرن نے اس کی تائید کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

"لیکن حکیم جی جنگل کے آخری کونے میں رہتے ہیں اور آج کل ان کی طبیعت بھی ناساز ہے۔" چڑیا نے اپنی معلومات بیان کیں۔

"دور جانے کا مسئلہ نہیں ہے۔ میں جاؤں گا ان کے پاس۔" کبوتر نے حوصلہ کرکے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"شاباش میرے بھائی۔ دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔ جیسا کہ چڑیا بی نے ابھی بتایا کہ حکیم جی کی طبیعت ناساز ہے، وہ تو نہیں آ سکیں گے۔ اس لیے کبوتر میاں کے ساتھ کسی اور کو بھی جانا ہوگا، تاکہ دوا لائی جا سکے۔" ہاتھی نے یہ کہتے ہوئے سب کی طرف دیکھا کہ اب کون جانے کی حامی بھرتا ہے۔

"میں چلی جاتی ہوں۔" بلی نے کہا تو چڑیاں ہنسنے لگیں۔

"بلی بی کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔ کبوتر میاں کی جان اب اللہ بچائے۔"

نگران چڑیا نے باقی چڑیوں کی شرارت سے ہنسنے کی وضاحت کی۔

"نہ جی نہ! میں بھلا کبوتر میاں کو کیوں کھاؤں گی؟ یہ تو اپنے دوست ہیں۔"

بلی نے کبوتر کے سر پر ایک پنجہ رکھتے ہوئے پیار سے کہا تو کبوتر میاں نے ڈر سے بقیہ ص 37 پر

# بکیر کی بطخیں

احمد رضا انصاری

دسمبر کا آغاز ہوتے ہی سردی کی شدت میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔۔۔ صبح سویرے دھند کا راج ہونے لگا۔۔ بکیر اپنے گھر سے نکلا اور اسکول جانے کے لیے نیم پختہ راستے پر بڑھنے لگا۔۔اس کا گھر ایک گاؤں میں تھا، جہاں بہت سی سہولیات میسر نہیں تھیں۔۔ راستے ناہموار اور کچے تھے۔۔۔جب بارش آتی تو گلیاں پانی کے جوہڑ میں بدل جاتیں اور گاؤں کے مکینوں کو آنے جانے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔۔۔آج بھی کہر کی وجہ سے راستہ کیچڑ زدہ تھا۔۔دھند اتنی کہ بمشکل چند فٹ تک نظر کی رسائی تھی۔۔۔بکیر اب ایک پگڈنڈی پر آ چکا تھا۔طویل پگڈنڈی کے اختتام پر اس کا اسکول تھا۔۔۔پگڈنڈی پر احتیاط سے قدم رکھتے اچانک اس کی نظر ایک شے پر پڑی ۔۔۔وہ ٹھٹک کر رک گیا۔۔۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے تاثرات ابھرے۔۔۔وہ ایک قدم آگے بڑھا اور زمین پر بیٹھ کر غور سے اس جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔۔۔۔دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر دیوانہ وار واپس گھر کی طرف دوڑنے لگا تھا۔۔کمر پر لدا بھاری بستہ زور زور سے اس کی پشت سے ٹکرا رہا تھا۔شدت غم سے بکیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔۔۔۔ صبح ہی صبح اسے بہت بڑا دلی صدمہ پہنچا تھا۔۔۔

◆◆◆

"دو سال پہلے کا ایک دن"

جون کا مہینا تھا۔اس دن گرمی عام دنوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی تھی۔۔۔ گرم لو چل رہی تھی اور سورج آگ برسا رہا تھا۔۔۔بکیر اسکول سے آیا اور کمرے میں گھستے ہی ٹھنڈے پانی کے گھڑے کی طرف گیا۔۔۔پانی پی کر اس نے گلاس گھڑے پر اوندھا رکھا۔۔اسی وقت اسے چارپائی کے نیچے ٹھنڈے فرش پر دو چوزے نظر آئے۔۔۔نیم اندھیرے کی وجہ سے وہ بطخوں کے بچوں کو مرغی کے چوزے سمجھ بیٹھا تھا۔۔بکیر نے دوبارہ غور سے انہیں دیکھا۔اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیلے۔۔۔وہ بہت دن سے اپنے ابو سے ضد کر رہا تھا اسے بطخ کی جوڑی لا کر دی جائے۔۔۔۔آج ابو اس کی یہ خواہش پوری کر چکے تھے۔۔۔۔

یہ بطخ کی نایاب نسل کے بچے تھے۔۔۔۔کالے اور خوب سارے پروں والے۔۔۔۔ابھی چھوٹے تھے اسی لیے ان کے پر وغیرہ بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔۔۔۔۔۔دونوں بچے گرمی سے بچنے کے لیے اندر پنکھے کی ہوا میں آ بیٹھے تھے۔۔۔

ان کے گھر آتے ہی بکیر بطخوں کا دیوانہ ہی ہو گیا تھا۔۔۔اسکول سے آتے ہی ان کی دیکھ بھال میں لگ جاتا۔۔روٹی۔باجرہ، مکئی اور گندم کے دانے ان کے آگے ڈالتا۔۔ایک برتن میں تازہ پانی رکھتا اور خود ساتھ بیٹھ کر انہیں کھاتے ہوئے دیکھتا رہتا۔۔۔۔بچے اب بڑے ہو رہے تھے۔۔۔ایک کی جسامت بڑی تھی دوسرا کچھ کمزور تھا۔۔۔بڑا بچہ خود زیادہ کھاتا تھا اور چھوٹے کو مارتا کہ وہ نہ کھا سکے۔۔۔۔بکیر اب ان کی خوراک علیحدہ علیحدہ سمتوں میں رکھتا۔۔۔بڑا بچہ جس کا نام بکیر نے پیٹو رکھا تھا۔وہ جلدی جلدی اپنا حصہ کھا کر فوراً دبکو کی طرف دوڑ آتا۔۔۔دبکو چھوٹے بچے کا نام تھا۔۔۔۔کچھ مہینوں بعد وہ بڑے ہو گئے۔ پیٹو بطخ بنا تھا اور دبکو بطخی۔۔۔دبکو اب انڈے دینے لگی تھی۔اس کے انڈے مرغی کے انڈوں سے کچھ بڑے ہوتے تھے۔۔۔۔بکیر ناشتے میں مزے سے دبکو کے انڈے کھاتا۔۔۔دبکو کوئی ناغہ کیے بغیر مہینے تک مسلسل انڈے دیتی رہتی تھی۔۔۔پھر وہ کڑک ہو جاتی اور کڑ کڑ کرتی پھرتی۔۔۔امی نے پہلی بار اس کے نیچے چھ انڈے رکھے۔۔۔دبکو ان پر چڑھ بیٹھی۔۔۔وہ پوری رات اور دن کا اکثر حصہ انڈوں پر بیٹھی رہتی۔۔۔پیٹو اس دوران دبکو کے ساتھ کھڑا رہتا اور جو کوئی بھی دبکو کے قریب آنے کی جسارت کرتا۔۔اسے مارنے کو دوڑتا۔۔۔۔بیس پچیس دن بعد دبکو کا دل انڈوں سے اوب سا گیا اور وہ انڈے چھوڑ کر باہر مٹر گشت کرنے لگی۔۔۔۔انڈے خراب ہو گئے اور بو کی وجہ سے امی نے انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیا۔۔۔۔۔دبکو پھر سے روز انڈہ دینے لگی تھی۔۔۔پانچ چھ بار دبکو نے اپنے انڈے خراب کیے۔۔۔بکیر انڈوں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے نکلنے کی آس میں دن گنتا مگر دبکو ہر بار اس کی امیدوں پر ٹھنڈا پانی پھیر دیتی اور بکیر خراب انڈے باہر پھینکتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا۔۔۔۔۔

◆◆◆

"ایک سال قبل کا ایک دن"

جاتی گرمیوں کے دن تھے۔۔۔دبکو اس بار کڑک ہوئی تو امی نے جان بوجھ کر اس کے نیچے انڈے نہ رکھے۔۔۔ کیوں کہ اس بار بھی دبکو نے اپنی روش برقرار ہی رکھنی تھی۔اس سے بہتر تھا وہ لوگ انڈے خراب ہی نہ کروائیں۔۔۔جب دبکو دن بھر کڑ کڑ کرنے لگی تو ایک انڈہ امی نے اس کا منہ بند کرنے کے لیے اس کے نیچے رکھ دیا۔۔دبکو خوش ہو کر اس پر چڑھ بیٹھی۔۔۔پیٹو حسب معمول اس کی چوکیداری پر کھڑا ہو گیا۔۔۔جو بھی نزدیک آتا۔۔ کھاں کھاں کر کے ٹھونگ مارنے کی کوشش کرتا۔۔۔۔وہ بہت غصہ ور تھا۔۔ گلی کے کچھ بچوں کو کاٹ چکا تھا۔۔۔ گھر میں بھی بعض اوقات اگر اسے روٹی یا دانہ نہ دیا جاتا تو وہ کھاں کھاں کرتا سب کو ٹھونگیں مارنے لپکتا۔۔۔۔

اس مہینے امی جان نے درجن بھر دبکو کے انڈے لالو مرغی کے نیچے رکھ دیے۔۔۔لالو بھی اپنے انڈوں پر بیٹھی انہیں سینے میں مصروف تھی۔۔۔بکیر کی دعائیں رنگ لائیں اور اس کی خواہش پوری ہو گئی۔۔۔پیٹو اور دبکو کے بچے نکل آئے تھے۔۔۔پہل پہلے تو دونوں بچوں سے کھنچے کھنچے سے رہے پھر انہیں پتا چل گیا یہ ہمارے ہی بچے ہیں۔۔۔۔بکیر بچوں کی آمد پر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔۔۔

وہ بچوں کا جی جان سے خیال رکھتا۔۔آوارہ کتوں، بلیوں اور چیل کووں سے معصوم بچوں کو دور رکھتا۔۔۔بچے بڑے ہونے لگے۔۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ باہر کی غلاظت کھا کر یکے بعد دیگرے بطخوں کے بچے مرتے چلے گئے۔۔۔۔آخر درجن سے ایک بچہ زندہ بچ پایا تھا۔۔۔۔انہی دنوں جب

بچہ کچھ بڑا ہو چکا تھا۔۔ پیٹو کو گلی کے شریر بچوں نے پتھر مارے اور اسے خون میں نہلا دیا۔۔۔ پیٹو گھر میں آیا تو اسے دیکھ کر سب پریشان ہو گئے۔۔۔ اس کی خوراک والا پوٹا پھٹ چکا تھا۔۔۔ سر پر گہرا زخم تھا۔۔۔ ایک ٹانگ بھی ٹوٹ چکی تھی۔۔۔ امی جان نے فوراً اسے پانی پلایا۔۔۔ پیٹو کا سانس رک رک کر آ رہا تھا۔۔۔ ابو جان نے کہا۔۔

یہ چند منٹوں کا مہمان لگ رہا ہے۔۔۔ اسے ذبح کر لینا چاہیے۔۔۔"

بادل ناخواستہ امی جان نے پیٹو کو حلال کرنے کی اجازت دے دی۔۔۔ بکیر اس وقت گھر سے باہر تھا۔۔۔ جب وہ واپس آیا تو اسے اس حادثے کا علم ہوا۔۔۔ وہ ہچکیاں لے کر رو پڑا۔۔۔ اسے پیٹو بہت عزیز تھا۔۔ اس کے جانے پر وہ بہت اداس تھا۔۔۔ دبکو اور اس کا بچہ بھی گم صم سے تھے ۔۔۔ دبکو نے اگلے کئی دن کچھ نہ کھایا۔۔۔ وہ سوگوار تھی۔۔۔

◆◆◆

کچھ ہفتوں بعد دبکو پراسرار طور پر لاپتا ہو گئی۔۔۔ خاصی تلاش بسار کے باوجود اس کا کہیں اتا پتا نا چل سکا۔۔۔ پہلے پیٹو پھر دبکو۔۔۔ بکیر تو غم سے نڈھال سا ہو گیا تھا۔۔۔ اس نے کتنے لاڈ و پیار سے ان کی پرورش کی تھی اور ظالم لوگوں نے بکیر کے دوستوں کو اس سے چھین لیا تھا۔۔۔ اب بکیر نے اپنی توجہ چھوٹی بطخ "ننھی" پر لگا دی۔۔۔ ننھی اپنی ماں کا پرتو تھیں۔۔۔ ویسی ہی کمزور جسامت اور وہی شکل و صورت۔۔۔ عادات بھی دبکو سے مماثلت رکھتی تھیں۔۔۔ بڑی ہو کر ننھی بھی انڈے دینے لگی تھی۔۔۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے شب و روز گزرتے چلے گئے اور سال بیت گیا۔۔۔ سردیاں شروع ہو گئیں۔۔۔ اکتوبر سے نومبر اور نومبر سے دسمبر آ گیا۔۔۔ ننھی دن کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتی تھی۔۔۔ گھر کے باہر جوہڑ وغیرہ بھی تھے۔ جن کے کنارے وہ چہل قدمی کرتی اور دھوپ سینکتی تھی۔۔ مغرب کی اذان ہوتے ہی وہ فوراً گھر آ جاتی تھی۔۔۔ بیرونی دروازے کے نیچے ننھی کے آنے جانے کے لیے چوکور خانہ سا بنوار کھا تھا۔۔۔ رات کو اس خلا کو لکڑی کے ٹکڑے سے بند کر دیا جاتا تھا۔۔۔ ایک رات ننھی کو دیر ہو گئی۔۔۔ گھر کے کسی فرد نے دروازے کے نیچے تختہ لگا دیا۔۔۔

ننھی نے اندر آنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس کی کوشش بارآور ثابت نہ ہو سکی۔۔۔۔ سردی کے سبب سب لوگ کمروں میں بند تھے۔۔۔ دھیرے دھیرے رات گزرنے لگی۔۔۔ اور پھر آوارہ کتے ننھی کو دیکھ کر ادھر آ پہنچے۔۔۔ ننھی انہیں دیکھ کر خوب چیخی چلائی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔۔۔ کتوں نے اسے اپنے نوکیلے دانتوں میں دبوچا اور رات کے اندھیرے میں روپوش ہو گئے۔۔۔

◆◆◆

"بس کرو بکیر اور کتنا رووگے۔۔۔ رونا بند کرو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کس کا زور ہے بھلا ۔۔۔ ننھی کی موت اسی طرح آنے تھی۔۔۔ خود کو ہلکان مت کرو میرے بچے۔۔ مت رو۔"

بکیر گھنٹا بھر سے مسلسل روئے چلا جا رہا تھا۔۔ وہ پگڈنڈی پر ننھی کی ادھ کھائی نعش دیکھ کر آ رہا تھا۔۔۔ کتوں نے بے دردی سے ننھی کو ادھیڑ ڈالا تھا۔۔۔

امی جان اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ لیکن بکیر کا غم بہت بڑا تھا۔۔۔ اسے جلد صبر نہیں آنے والا تھا۔۔۔ یہ دوستی تو برسوں پرانی تھی۔۔۔ وہ اتنی جلدی بھلا کیسے بھول جاتا۔۔۔ سر جھکائے وہ پیٹو، دبکو اور ننھی کے ساتھ گزرے ایام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔ آنسو کی روانی میں کوئی خلل نہ پڑا تھا۔۔۔ وہ بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔۔۔ خاموشی سے۔۔ روانی سے۔۔۔

◆◆◆

بقیہ

# جنگلِ دوستاں

آنکھیں بند کر لیں۔ سب اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"مذاق اپنی جگہ، لیکن مجھے "جنگلِ دوستاں" کے ہر فرد پر مکمل بھروسا ہے کہ کوئی کسی کی جان نہیں لے سکتا۔ اس لیے طے پایا کہ کل صبح ہوتے ہی کبوتر میاں اور بلی بی حکیم جی کے پاس جائیں گے۔ انھیں پریشانی بتا کر دوا لائیں گے۔"

ہاتھی نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے، اس کا مطلب تھا کہ محفل برخاست ہو گئی تھی۔

صبح ہی صبح دونوں حکیم جی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جنگل سے گزرتے ہوئے اب دوپہر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں تھک بھی چکے تھے۔ ایک غار کے دہانے پر رُک گئے۔

"کیوں نہ باقی سفر رات کو کیا جائے؟"

کبوتر نے بلی سے کہا۔

"نہیں کبوتر میاں! تھوڑا آرام کر لیتے ہیں۔ جلد سے جلد حکیم جی کے پاس پہنچنا ہے۔ ہمارے دوست مصیبت میں ہیں۔"

بلی بی فکر مندی سے کہنے لگی۔

"ہوں۔۔۔ واقعی بڑی مصیبت آن پڑی ہے۔ بندر میاں کی دُم اور خرگوش میاں کے کان حد سے زیادہ لمبے ہو گئے ہیں۔"

کبوتر نے اداس ہو کر کہا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ایک گلہری چپکے سے ان کی باتیں سن رہی ہے۔

◆◆◆

"حکیم جی اس دنیا میں نہیں رہے۔" بلی اور کبوتر نے اداسی سے یہ خبر سنائی تو گلہریاں آتی دکھائی دیں۔

"ہم دوا لائے ہیں۔" رانی گلہری نے کہتے ہی دوا ہاتھی کی طرف بڑھائی۔ اس نے اچھی طرح جانچ کی کہ کہیں دشمنی کی وجہ سے گلہریوں نے زہر وغیرہ تو نہیں ملایا ہوا؟ جانچ کے بعد وہ دوا بندر میاں اور خرگوش میاں کو کھلا دی گئی۔ اگلے دن وہ دونوں ٹھیک ہو گئے۔

"کیا لاجواب دوا ہے۔ کیسے بنائی؟" لومڑی نے سوال کیا۔

"صرف ایک کلو بیر کی گٹھلیوں کا گودا پیس کر تھوڑا پانی ملایا ہے۔" گلہری نے بتایا تو جنگلِ دوستاں نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں کہ جس چیز کو حقیر جانا وہ حقیر نہیں۔

"اب سے گلہریاں بھی "جنگلِ دوستاں" کا حصہ ہیں۔" ہاتھی نے اعلان کیا تو سب گلہریاں خوشی سے بھاگنے دوڑنے لگیں اور "جنگلِ دوستاں" میں خوشیاں لوٹ آئیں۔

# St. Ives

ORIGINAL SWISS FORMULA

Brighten Up!

with

## AMERICA'S NO.1 & AWARD WINNING

## Scrub Brand

**Your face comes first, and when it looks great, you do too.**

100% Natural Extracts
Paraben Free
Oil Free
Dermatologist Tested
Hypoallergenic

AT A PRICE, EVERY ONE CAN AFFORD

COMPLETE RANGE OF ALL **SCRUBS BODY LOTION & BODY WASHES**
AVAILABLE AT ALL MAKEUP CITY OUTLETS & LEADING STORES NATION WIDE

# اونٹ

فوزیہ خلیل

آج تمام بچے نانا جان کے گھر جمع تھے۔ بچوں کے درمیان مقابلہ تھا۔ بچوں کو اپنے پسندیدہ جانور کے بارے میں بتانا تھا۔ بچوں کی معلومات ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے تھی۔ کل سارہ کی باری تھی، اس نے ہاتھی کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ آج عبدالباری اپنے پسندیدہ جانور کے بارے میں بتانے جارہا تھا۔

''ہاں بھئی عبدالباری! آپ کا پسندیدہ جانور کون سا ہے؟ اور اس کو پسند کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' نانا جان نے پوچھا۔

''نانا جان مجھے اونٹ پسند ہے۔ اس کو صحرا کا جہاز بھی کہا جاتا ہے اور میری پسندیدگی کی کئی وجوہ ہیں جو میں ساتھ ساتھ بتاتا جاؤں گا۔'' اُس نے بہت اعتماد سے جواب دیا۔ نانا جان نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔

''اونٹ ایک ایسا جانور ہے جو صدیوں سے انسان کے کام آرہا ہے۔ یہ ایسی جگہوں پر بھی رہ لیتا ہے، جہاں دوسرے جانور کا پایا جانا یا رہنا مشکل ہے۔ یہ ایک عجیب مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے۔ یہ جانور کھائے پیے بغیر کئی دن گزار لیتا ہے۔ یہ لمبے صحراؤں کی تیز دھوپ میں کئی دن بغیر آرام کیے سفر کرلیتا ہے۔'' عبدالباری نے بتایا۔

''کھائے پیے بغیر کس طرح گزارا کرلیتا ہے۔ یہ نہیں بتایا آپ نے؟'' یہ معاذ کا سوال تھا۔

''جی وضاحت کرتا ہوں۔ اس کی پشت پر کوہان ہوتا ہے، جس میں یہ چربی جمع کرلیتا ہے اور بھوک لگنے پر اسی چربی کو توانائی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے، جب کہیں اسے پانی ملتا ہے تو بہت زیادہ پانی پی لیتا ہے۔ اس کے پیٹ میں پانی کی تھیلیاں ہوتی ہیں جن میں یہ پانی بھر لیتا ہے، پھر بوقتِ ضرورت استعمال کرتا ہے۔'' عبدالباری کا جواب مکمل تھا۔ خالہ جان نے اُسے ستائشی نظروں سے دیکھا۔

''یہ بہت زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ اونٹ کی کھال، گوشت اور دودھ بہت مفید ہیں۔ انسان ان سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ ایک اونچا لمبا جانور ہے، جس کی لمبی لمبی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ یہ اپنے گھٹنے موڑ کر زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ لوگ اس پر بہت سارا سامان لادتے ہیں اور خود بھی سوار ہوتے ہیں۔'' عبدالباری سانس لینے کو رکا تو نجیب نے کھڑے ہو کر پوچھا:

''میں نے سنا ہے یہ بے حد بدمزاج جانور ہے۔ کیا یہ درست ہے؟''

''ہاں نجیب بھائی، یہ درست ہے، یہ بے حد بدمزاج جانور ہے کینہ پرور ہے، اگر اس کا مالک اس سے برا سلوک کرے تو یہ بھولتا نہیں بلکہ موقع کی تلاش میں رہتا ہے اور جیسے ہی موقع ملتا ہے یہ بدلہ لے لیتا ہے، کاٹ لیتا ہے یا دولتی جھاڑ دیتا ہے۔ اگر مالک اس پر بہت زیادہ سامان لادے تو یہ بہت ناپسند کرتا ہے۔ یہ زیادہ بوجھ اٹھانے سے گھبراتا ہے۔ کھڑے ہوتے وقت یہ گہری گہری سانسیں لیتا اور غرّاتا ہے۔'' عبدالباری نے مسکرا کر اپنا جواب مکمل کیا۔

''اور اونٹوں کے بارے میں کوئی خاص بات؟'' سارہ نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

''اس کی دوڑ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اپنی لمبی ٹانگوں کی بدولت یہ بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو یہ اپنے مالک سے رسی چھڑا کر بھاگ جاتا ہے اور بارش رُکنے پر واپس آجاتا ہے۔''

''بھئی عبدالباری کے پاس اپنے پسندیدہ جانور کے بارے میں مکمل معلومات ہیں، آپ لوگ اسے ہرا نہیں سکتے۔'' نانا جان نے مسکرا کر کہا۔

''عبدالباری شروع میں تم نے بتایا تھا، اسے صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟'' حیدر نے پوچھا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحرا میں لمبے لمبے سفر کرسکتا ہے۔ صحرا میں ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ جب تیز ہوا چلتی ہے تو ریت اور مٹی خوب اڑتی ہے۔ اونٹ کی گھنی اور لمبی پلکیں اس کی آنکھوں کو صحرا کی ریت اور مٹی سے بچاتی ہیں اور انھیں صاف رکھنے میں مدد دیتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اونٹ صحرا میں سفر نہ کرسکتا۔

عبدالباری نے بتایا تو نانا جان، نانی جان، خالہ جان سب مسکرانے لگے۔ عبدالباری کا جواب بالکل مکمل تھا۔

''عبدالباری اونٹ کی آنکھوں کے بارے میں کچھ خاص باتیں مشہور ہیں، وہ تم بتانا بھول گئے۔'' عبدالرحمٰن بولا۔

''نہیں میں بالکل نہیں بھولا، میں بتاتا ہوں۔ اونٹ کی آنکھ کے دو پپوٹے یا غلاف ہوتے ہیں۔ وہ ایک پپوٹے کی مدد سے آنکھ میں پڑنے والی ریت صاف کرتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اونٹ اس پپوٹے کو بند کرنے کے باوجود بھی دیکھ سکتا ہے۔ جب صحرا میں آندھی چل رہی ہو اور ریت اُڑ رہی ہو اونٹ، اس پپوٹے کو بند کرلیتا ہے، مگر وہ دیکھ سکتا ہے اور اپنا سفر بھی جاری رکھتا ہے۔ سفر کے دوران ریت اُڑ رہی ہو تو یہ اپنے نتھنے زور سے بند کرلیتا ہے تاکہ ریت اس کی ناک میں گھس کر اسے بند نہ کردے۔'' عبدالباری نے بہت سکون اور اطمینان سے اپنا جواب مکمل کیا۔

''بھئی! تم سب نے بے چارے عبدالباری کو گھبرانے اور پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، مگر اس کا مطالعہ اتنا وسیع اور مکمل تھا کہ اس نے تم لوگوں کے ہر ہر سوال کا مکمل اور تسلی بخش جواب دیا، وہ ذرا نہیں گھبرایا۔ شاباش عبدالباری۔'' نانا جان نے اسے شاباش دیتے ہوئے کہا۔

''اب کل سعد کی باری ہے۔ وہ اپنے پسندیدہ جانور کے بارے میں بتائے گا اور پھر مقابلہ مکمل ہو جائے گا اور اوّل آنے والے کو نانا جان انعام دیں گے۔'' خالہ جان بولیں۔

''بھئی! ہمارے خیال میں تو اوّل انعام عبدالباری لے اڑے گا۔'' بچوں نے شور مچادیا اور نانا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔ محفل برخاست ہو چکی تھی۔ ہر بچہ اپنی جگہ سوچ رہا تھا کہ عبدالباری نے بہت محنت کی، انعام ملنا اُس کا حق ہے۔

# بچوں کے فن پارے

آمنہ احسان
نہم الائیڈ اسکول، فیصل آباد

سائح علی
درجہ حفظ ،جامعہ بیت السلام کراچی

حسان
دس سال ،سوم ،میٹرو پولیٹن اکیڈمی کراچی

امیمہ عباسی
پنجم ، نجم دہلی اسکول کراچی

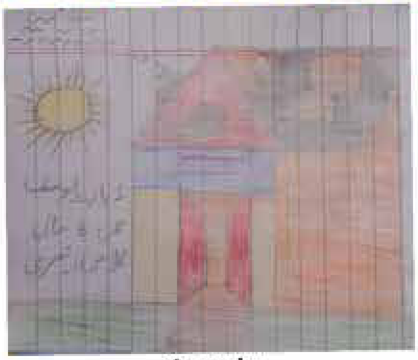

رباب یوسف
6سال، سوم ،علامہ اقبال پبلک مڈل اسکول علی پور

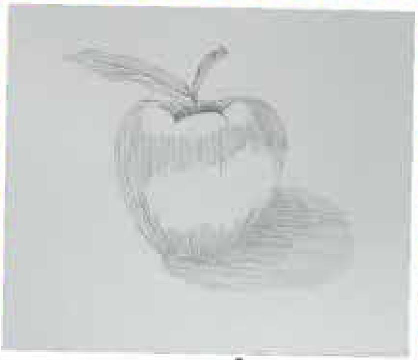

آئرہ شیخ
11 سال ،ششم صفہ سیویر، اسکول کراچی

بریرہ عدنان
8سال، سوم ،محمدی پبلک اسکول کراچی

# پیارے بچو!

جب آپ یہ سطریں پڑھ رہے ہوں گے، سال 2020 کا آخری مہینا گزر رہا ہوگا۔ بہت سے لوگ نئے سال 2021ء کا استقبال کرنے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ ایسے ہی کئی سال ہماری زندگیوں میں آتے اور چلے جاتے ہیں۔ لوگ اپنی پیدائش کا دن یعنی برتھ ڈے مناتے ہیں۔ خوشی اور غمی کے اور بھی کئی دن منائے جاتے ہیں۔ دن منانا کوئی بڑی بات ہے، نہ ہی نئے سال کی خوشی منانے سے ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی۔ البتہ ہمیں ہر گزرے دن کے ساتھ، ہر سال ختم ہوتے وقت گزرے سال اور گزرے وقت کے دوران اپنے رویے اپنے اخلاق، اپنی عبادت، دیانت داری اور دوسری خوبیوں کا جائزہ ضرور لینا چاہیے۔ اگر ہم نے یہ سال اچھا گزارا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر ہم سے اس سال اللہ کی دی زندگی ہوئی میں کوئی خیانت ہوئی ہے تو اس پر توبہ کرنی چاہیے اور اللہ سے پکا وعدہ کرنا چاہیے کہ ہم نئے سال میں اللہ کی مرضی کے مطابق وقت گزارنے کی کوشش کریں گے اور اس کام کے لیے ہمیں اللہ سے مدد بھی مانگنی چاہیے!

تو پیارے بچے ایسا ہی کریں گے نا!!!

اللہ ہم سب کی مدد کرے

# ماہنامہ فہم دین دسمبر 2020ء کے سوالات

سوال نمبر 1 عدنان کا شوق پورا کرنے کے لیے کس نے مدد کرنے کا سوچا؟

سوال نمبر 2 نیلو ہدہد کو کون سی خاص کتاب نظر آئی؟

سوال نمبر 3 خاکی لفافے میں کیا تھا؟

سوال نمبر 4 آسمان پر اڑتے پرندے دیکھ کہ مرغی کیا سوچ رہی تھی؟

سوال نمبر 5 لومڑی کی چالاکی کا سارس نے کیا بدلہ لیا؟

# اگست 2020ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: خریدی ہوئی ہوئی جھاڑو استعمال کرنے پر

جواب نمبر 2: قیمتی گھڑی

جواب نمبر 3: چکور

جواب نمبر 4: پانی ضائع ہونے پر

جواب نمبر 5: قیامت کے دن اس سوال پر کہ علم پر کتنا عمل کیا؟

## پیارے بچو!

- انعامی سوالات کے جوابات یا اپنے فن پارے آپ ڈاک سے بھی بھیج سکتے ہیں، ای میل بھی کر سکتے ہیں اور دیے گئے نمبر پر وٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔
- سوالات کے جوابات ہوں، یا پیارا سا فن پارہ اس پر اپنا نام، عمر، پتا، کلاس، اسکول / مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے فون نمبر ضرور لکھیں۔
- اس صفحے پر پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کر چوتھے شمارے میں شائع کیے جاتے ہیں۔

وٹس ایپ کے لیے نمبر نوٹ کرلیں: 0316 2339088

## اگست 2020ء کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

- یمنیٰ فاطمہ زبیر کراچی
- محمد بن مولانا زر محمد کراچی
- بنت افضال احمد نجم کراچی

ان تینوں میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہم دین مبارک ہو

# ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

ارسلان اللہ خان

نبی ﷺ ہیں قمر اور ستارے صحابہؓ
بہت محترم ہیں ہمارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

خُدا کے ہیں محبوب، احمد ﷺ کے ساتھی
مُحمد ﷺ کی آنکھوں کے تارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

وہ ہیں تربیت یافتہ مُصطفیٰ ﷺ کے
جبھی تو ہمیں ہیں دُلارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

وفا، علم، حکمت، محبت شعاری
ہیں اسلام کے ماہ پارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

چلو جس کے پیچھے ہدایت ملے گی
ہدایت کے ہیں سب منارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

خدا جن سے راضی نبی جن سے راضی
وہ ہیں مومنو! پیارے پیارے صحابہ
ہمارے صحابہ ، ہمارے صحابہ

کرو سب کی تعظیم اے مومنو! تم
کہ ہیں پاک طینت یہ سارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

عتیق وعُمراور عُثمان و حیدر
مُحمد ﷺ کے ہیں یہ نیارے صحابہ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

ہوں سفیان یا حضرتِ معاویہ ہوں
سبھی رحمتوں کے ہیں دھارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

کرو ارسلانؔ! ذکرِ اصحابِ احمد ﷺ
صداقت کے ہیں استعارے صحابہؓ
ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

# تیرا رتبہ ہے سب سے جدا عائشہ رضی اللہ عنہا

احمد ظہور جامعہ بیت السلام

تیرا رتبہ ہے سب سے جدا عائشہ
تیرا شوہر حبیبِ خدا عائشہ

تجھ سے الفت نبی کی کروں کیا بیاں
پیار سے ہے "حمیرہ" کہا عائشہ

دودھ آقا نے پیا وہیں سے جہاں
رکھ کے لب تو نے پیا عائشہ

تہمت تجھ پر لگائی جو کفار نے
تیری پاکی میں بولا خدا عائشہ

کیا ہے قسمت تیری کہ تُو بچپن میں ہی
بن گئی زوجہ مصطفیٰ عائشہ

علم نبوی کا بحرِ بے پایا تُو نے
ہے بنامِ صحابہؓ کیا عائشہ

چمن اِسلام میں گل ہزاروں ہیں پر
تیری خوشبو ہے سب سے جدا عائشہ

کی ہے آقا نے مسواک تو نے جسے
نرم دانتوں سے اپنے کیا عائشہ

جنتِ آخرت میں ہے تردید کیا
تیرا حجرا بھی جنت بنا عائشہ

کم ہے پھر بھی اگرچہ میں کرتا رہوں
مرتے دم تک تری ہی ثنا عائشہ

ہے تمنائے احمد کہ وہ بھی کرے
تیری عِفّت پہ سب کچھ فدا عائشہ

# گلدستہ

ترتیب و پیش کش محمد اطہر فتح پوری، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

## حمدِ ربِ ذوالجلال

خدایا میں تجھے اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں
تہ دل سے تجھے سب سے بڑا تسلیم کرتا ہوں
ترا ہی نام آتا ہے مرے ہونٹوں پر رہ رہ کر
تجھے ہی لائقِ حمد و ثنا تسلیم کرتا ہوں
تری عظمت کے آگے خوف سے اونچے پہاڑوں کو
میں رائی کی طرح سہما ہوا تسلیم کرتا ہوں
الہ العالمین کوئی نہیں تیرے سوا ہر گز
تجھے معبودِ برحق، برملا تسلیم کرتا ہوں
تجھی سے مانگتا ہوں، میں مدد ہر ایک مشکل میں
تجھی کو میں فقط مشکل کشا تسلیم کرتا ہوں
ترے ہی پاس مجھ کو لوٹ کر جانا ہے بالآخر
تجھی کو مالکِ روزِ جزا تسلیم کرتا ہوں

شاعر: انور صابری    انتخاب: سمیع اللہ

## ایک بزرگ کو آخرت کا خوف

ایک بزرگ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ پوری زندگی میں کبھی بھی نہیں ہنسے، ان کے منہ پر کبھی تبسم نہیں دیکھا گیا۔ ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔ کسی شخص نے ان سے پوچھا: ”حضرت ہم نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ آپ کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نظر آئی اور آپ ہمیشہ فکر مند نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟“ انھوں نے جواب میں فرمایا: ”بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ کچھ مخلوق تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا فرمائی ہے اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو جہنم کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں کون سے زمرے میں داخل ہوں، جب تک مجھے یہ پتا نہ چل جائے کہ میں جنت والے زمرے میں داخل ہوں، اس وقت تک ہنسی کیسے آئے؟ بس اس فکر کے اندر ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔“

انتخاب: ظفر اللہ

اسلام اور ہماری زندگی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

## نعت

کبھی یٰسین و مبشر کبھی طٰہٰ لکھوں
زندہ جب تک رہوں نعتِ شہِ والا لکھوں
نعت لکھنے کی تمنا لیے اس سوچ میں ہوں
خود جو ممدوحِ خدا ہو، اسے میں کیا لکھوں
ان کے در سے مجھے مل جائے غلامی کی سند
میرے معبود کوئی لفظ میں ایسا لکھوں
قابَ قوسین نے حد کھینچ رکھی ہے ورنہ
ذکر معراج کا چھڑ جائے تو کیا کیا لکھوں
وہ بھی دن آئے کہ ہر دل میں وہی وہ ہوں مکین
اور میں ناز سے ہر دل کو مدینہ لکھوں
ہر نفس تازہ تغیّر کا ہدف ہے دنیا
جُز ترے دہر میں آقا کسے اپنا لکھوں

شاعر: امید فاضلی    انتخاب: نعیم خان

## ”اپنی موت اپنے ہاتھوں بلائی“

”اپنا نقصان آپ کرنا۔ خود ہی اپنے جال میں پھنسے خود ہی موت یا مصیبت کو دعوت دی۔“ جب کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے، جو اس کے لیے مصیبت یا پریشانی کا باعث بن جائے تب یہ ضرب المثل کہتے ہیں۔ دراصل عربی میں ایک ضرب المثل ہے جس کا ماخذ یہ حکایت ہے: ایک شکاری نے نیل گائے کو اپنے جال میں پھنسا لیا مگر ذبح کرنے کے لیے اس کے پاس چھری نہ تھی۔ نیل گائے نے اپنے کھروں یعنی سُم سے جال میں پھنسی ہوئی حالت اور گھبراہٹ میں زمین کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں کھودی گئی زمین میں ناگاہ ایک چھری نظر آئی۔ شکاری نے اس چھری کو فوراً اٹھا لیا اور نیل گائے کو ذبح کر دیا۔ اس طرح اپنے کھروں سے گھبراہٹ میں زمین کھود کر نیل گائے نے اپنی موت اپنے ہاتھوں بلائی۔

انتخاب: رحمت اللہ معاویہ    اردو کہاوتیں، ڈاکٹر شریف احمد قریشی

## آپ کے اشعار

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
شاعر: علامہ اقبال

سبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا، سبھی راحتیں، سبھی کلفتیں
کبھی صحبتیں، کبھی فرقتیں کبھی دوریاں کبھی قربتیں
انتخاب: عبدالباری شاعر: فیض احمد فیض

کیفی ہمیں ساحل کی طرف لے گئیں موجیں
دل ڈوب ہی جاتا اگر آنسو نہ ڈھلکتے
انتخاب: حمزہ نذیر شاعر: محمد زکی کیفی

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں
انتخاب: معاویہ نذیر شاعر: شکیل بدایونی

مجھ کو لوہا بن کر دنیا میں اُبھرنا چاہیے
یہ اگر ہمت نہیں تو ڈوب مر جانا چاہیے
انتخاب: عبدالصمد شاعر: جوش ملیح آبادی

ہاتھ الجھے ہوئے ریشم میں پھنسا بیٹھے ہیں
اب بتا، کون سے دھاگے کو جدا کس سے کریں
انتخاب: حسن ظفر شاعر: ایوب خاور

یہ کس مقام پہ تنہائی سونپتے ہو مجھے
کہ اب تو ترکِ تمنّا کا حوصلہ بھی نہیں
انتخاب: انس یعقوب شاعر: ناصر زیدی

یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے
کبھی گویا جہاں میں تھی ہی نہیں
انتخاب: نوید شاعر: نواب مصطفیٰ شیفتہ

مال ہے نایاب، پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ
انتخاب: حفصہ عمران شاعر: الطاف حسین حالی

کبھی کی تھی، جو اب وفا کیجیے گا
مجھے پوچھ کر آپ کیا کیجیے گا
انتخاب: منہاج الرب شاعر: حسرت موہانی

## کامیابی کے تین گُر

حکیم الُامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی تین باتوں کا اہتمام کرے تو ان شاءاللہ محروم نہ رہے گا۔

1 گناہ بالکل چھوڑ دے کیوں کہ ان سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔۔۔ گناہ گار اگر عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے نور کی مثال مثلِ نورِ فانوس کے ہوتی ہے کہ اس کا نور مخلوط بالظلمات ہوتا ہے۔

2 خلقِ خدا پر بدگمان نہ ہوا کرے (یہ بدگمانی کا مرض) کبر سے پیدا ہوتا ہے۔

3 جب فرصت ہو کچھ (دیر بیٹھ کر) ذکر و شغل جس قدر ممکن ہو کر لیا کرے اور حضراتِ صوفیائے کرام سے ملتا جلتا رہے۔

## کام کی باتیں

- کام میں تسلسل ممکن حد تک آسانیاں پیدا کرنے سے آتا ہے
- کسی کو اسی وقت تک اہمیت دی جاتی ہے، جب تک وہ مقابل نہ آجائے
- شوق ایسا سیلاب ہے، جو ہر عذر کو بہالے جاتا ہے
- جوانی میں دوسروں سے اُلجھنے والا، بڑھاپے میں اپنے آپ سے اُلجھنے لگتا ہے
- کسی بھی حادثے کا کوئی ایک ذمے دار نہیں ہوتا

## ضرب الامثال

| | |
|---|---|
| 1 اڑتی چڑیا کے پر کترنا | بہت ہوشیاری دکھانا۔ |
| 2 اس کے دل گردے کو دیکھو | بڑا بہادر اور حوصلے والا ہے۔ |
| 3 جو من میں بسے وہ چلنے دے | جو دل میں ہو وہ خواب میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ |
| 4 حال کا نہ قال کا، روٹی چمچے دال کا | نکمّا آدمی جو کام کاج نہ کرے، مفت میں پیٹ بھرنا چاہے۔ |
| 5 کہیں اوس سے پیاس بجھتی ہے؟ | تھوڑی چیز کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔ |

## محاورے

| | |
|---|---|
| 1 خون سفید ہونا | محبت جاتی رہنا |
| 2 دل سے اُتر جانا | بے وقعت ہو جانا |
| 3 دل کی دل میں رہنا | خواہش پوری نہ ہونا |
| 4 الزام تھوپنا | خواہ مخواہ کسی کو ملزم بنانا |
| 5 تلوار کی دھار پر چلنا | خطرہ مول لینا |

انتخاب: ابراہیم چمنی

# خدمت کی ایک نئی جہت
# کفالت برائے خصوصی افراد

ایسے مستحق زکوۃ، خوددار سفید پوش حضرات کے لیے راشن فراہمی پروگرام جو نادرا سے بطور خصوصی افراد تصدیق شدہ ہوں

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ اپنے قیام کے وقت سے اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ شہروں کے وہ انتہائی مضافاتی علاقے اور دور دراز کی وہ پس ماندہ بستیاں جہاں زندگی گزارنے کے لیے ضروی سہولتیں دستیاب نہیں اور ایسا پس ماندہ طبقہ، ایسے لوگ اور عوام جو غربت کی وجہ سے زندگی کی بنیادی سہولتوں تک رسائی نہیں رکھتے، انہیں وہ ضروریات زندگی فراہم کی جائیں جن کے بغیر گزارا نہیں۔ جیسے صاف پانی، لباس، راشن، مصیبت میں گھرے اور حادثات کا شکار لوگوں تک تیار کھانا پہنچانا، صحت کی بنیادی سہولتیں۔ ایمبولینس کی فراہمی، فری طبّی کیمپ، ان کے بچوں کے لیے بنیادی دینی اور عصری تعلیم کا انتظام کرنا۔

اسی تناظر میں بیت السلام نے ایک نیا فیصلہ کیا ہے کہ وہ خصوصی افراد جو آنکھوں کی نعمت سے محروم ہیں، جو سننے کی قوت نہیں رکھتے، جو بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یا خدانخواستہ ان کے ہاتھ پاؤں کسی حادثے کا شکار ہو چکے ہیں یا وہ پیدائشی طور پر معذور ہیں۔ ایسے حضرات جن کی سفید پوشی ان کا بھرم رکھے ہوئے ہے، جو اپنی خودداری کی وجہ سے اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کر سکتے، اپنے خاندان کی کفالت کے لیے مشکل میں ہیں اور ان کے پاس ان کی اس معذوری کا نادرا سے تصدیق شدہ خصوصی شناختی کارڈ بھی موجود ہے، تو انہیں بیت السلام کی طرف سے راشن فراہم کیا جائے، ابتدائی طور پر یہ سلسلہ صرف کراچی اور اس کے مضافاتی علاقوں کے لیے شروع کیا جارہا ہے۔ بیت السلام کے اس مشن میں شرکت کا ذوق رکھنے والے اہل خیر فی گھرانا پانچ ہزار روپے برائے کفالت خصوصی افراد جمع کروا سکتے ہیں۔

راشن فراہمی ویسے بھی بیت السلام کے مستقل منصوبہ جات میں شامل ہے ہر سال ہزاروں گھرانوں تک عمومی راشن پہنچایا جاتا ہے اور رمضان المبارک یا دوسرے موقع میں بھی ہزاروں مستحق خاندانوں کی راشن کے ذریعے خدمت کر کے ان کی زندگی آسان بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

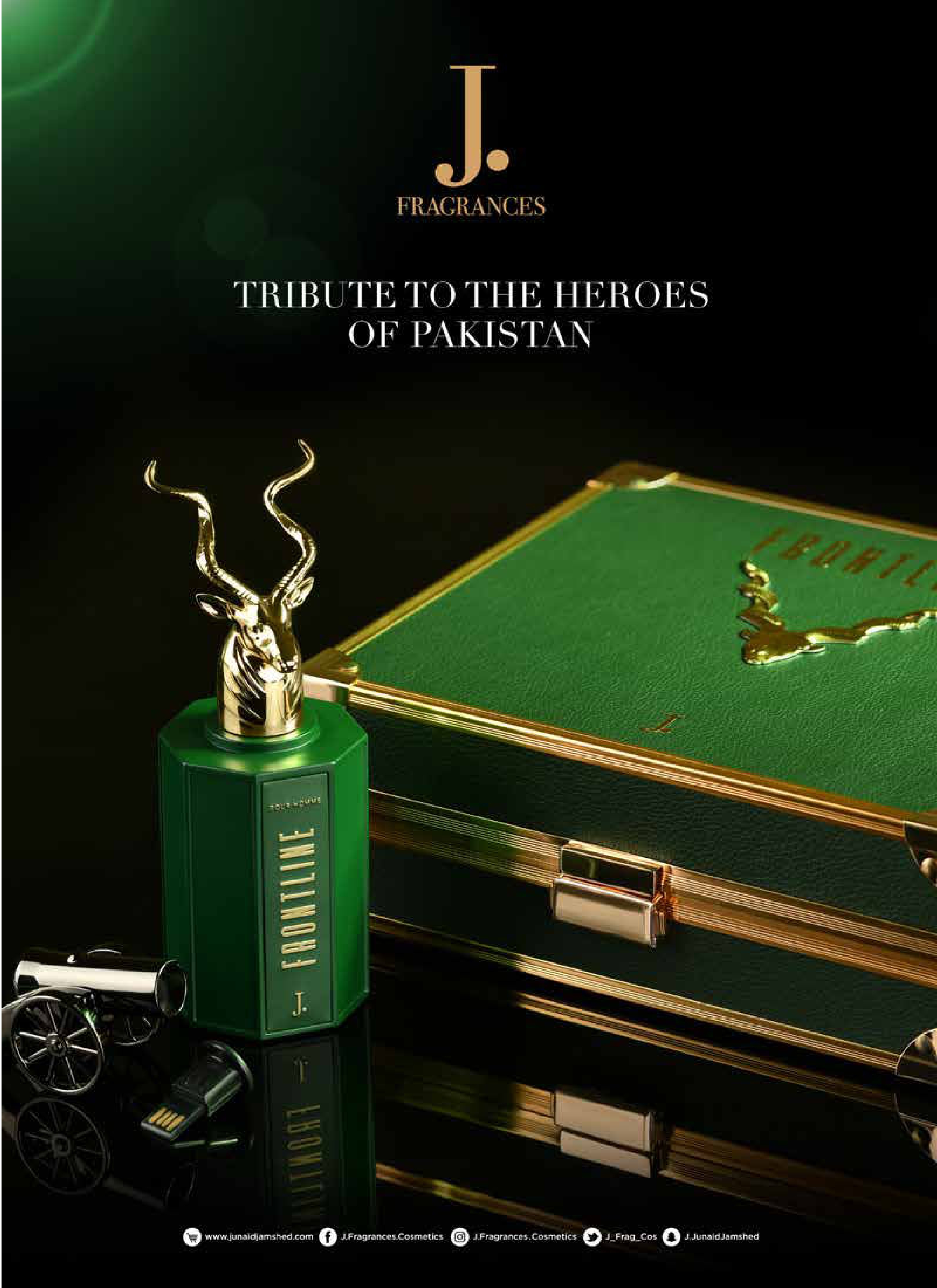
J.
FRAGRANCES
TRIBUTE TO THE HEROES OF PAKISTAN
FRONTLINE
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

DIAMOND
BUILDERS

ALI LAKHANI
BUILDERS

GM
LAKHANI
TOWERS

# PRE-BOOKING OPEN

**4 BEDROOMS**
DRAWING & LOUNGE

**3 BEDROOMS**
DRAWING & LOUNGE

**2 BEDROOMS**
DRAWING & LOUNGE

PLOT # A, SECTOR 35A, SCHEME 33, NEAR RIM JHIM TOWERS, KARACHI.
CONTACT : 0301-060-2222 - 0301-050-2222

diamondbuilders.pk